بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۱ ماہ اکتوبر ۲۰۱۳ء مطابق ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ شمارہ نمبر ۱۰

مدیر

خلیل الرحمان سجاد نعمانی

E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۱۰
۳	ماں کی گود	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی	۱۷
۴	مذاہب اربعہ اور ان کی تقلید	مولانا یحییٰ نعمانی	۲۸
۵	قربانی کی حقیقت	جناب قطب الدین ملا صاحبؒ	۴۱
۶	ترکی کے کچھ احوال	مولوی عبدالخالق قاسمی	۴۷

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ .V.P ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے ذمہ دار حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں ان مقامات نیز قرب و جوار کے حضرات اُن سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسنین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاسمی بکڈپو طٰہٰ بکڈپو الطاف بکڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086 +91-9325052414-9764441005
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زرِ تعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.200

☆ سالانہ زرِ تعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی -/Rs.230

[1] اس صورت میں پہلے سے زرِ تعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے،
مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ : **Mr. RAZIUR RAHMAN**
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ۔
پن-۲۲۶۰۱۸ - یوپی، انڈیا- فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک
اتوار کو آفس بند رہتا ہے -----

خلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر پبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہِ اولیں

مدیر

عالم اسلام کے موجودہ حالات پر
مدیر الفرقان کا ایک مکتوب

[عالم اسلام کے تازہ ترین حالات پر ایک نوجوان اور دردمند عالم دین نے اِس عاجز کے نام اپنے خط میں سخت رنج وغم اور تشویش کا اظہار کیا، اس خط کے جواب میں جو مختصر سا خط سفر کے دوران راقم نے لکھا، وہ بعض عزیزوں کی فرمائش پر الفرقان کے قارئین کے مطالعہ کے لئے ذیل میں پیش کیا جارہا ہے —— مدیر]

عزیز مکرم !اللہ آپ کے دردوغم کو قبول فرمائے اور صحیح رہنمائی فرمائے! آپ کا خط ملا، آپ کے درد واضطراب سے دل متأثر ہوا، ایک سفر پر ہوں، کچھ باتیں جو ذہن میں آرہی ہیں، مختصراً تحریر کرتا ہوں، اللہ کرے کہ سکینت واطمینان اور زیادتی ایمان کا باعث ہوں۔

۱۔ یہ بات بالکل صاف ہے کہ عالم اسلام جو تقریباً ایک صدی کی بے راہ روی کے بعد اسلام کی طرف واپس آنا چاہ رہا ہے، اس کے راستے میں کفر ونفاق کی تمام طاقتوں کو مجتمع کر کے شیطان رکاوٹیں کھڑی کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ مصر میں جو کچھ ہوا، یقینی طور پر اس کے پیچھے صلیبی وصیہونی طاقتیں ہیں۔ مصر کے مسیحی آرتھوڈکس چرچ نے اس انقلاب میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس کی تفصیل آپ ۶ تا ۱۲ جولائی کے ''المجتمع'' میں پڑھ سکتے ہیں۔ ۳۰ر جون کو میدان التحریر میں جمع ہونے والے مظاہرین میں ۵۰ % مسیحی نوجوان تھے، مصر کے سینکڑوں گرجا گھر حکومت مخالف تحریک کے مرکز کے طور پر استعمال ہوئے۔ جو نعرے اس تحریک میں لگائے گئے، وہ صرف حکومت کے خلاف نہیں تھے، وہ صاف طور پر اللہ اور رسول ﷺ اور اسلام اور قرآن کے خلاف تھے۔ مثلاً کہا گیا:

- ''ہم صرف اخوان ہی کا خاتمہ نہیں کریں گے ہم مصر میں ہر اس چیز کو مٹا کر رہیں گے جس کا نام ''سیاسی اسلام'' ہوگا۔
- ''ہمیں ہر قیمت پر یہ جدوجہد جاری رکھنی ہے کہ مصر کی شناخت اسلامی نہ بننے پائے۔

اس طرح کی بے شمار باتیں ہیں جن کا تذکرہ ذرائع ابلاغ میں بھرا ہوا ہے —— آپ تھوڑی سی محنت کر کے اسرائیلی لیڈروں کے بیانات اور صحافیوں کے تجزیے پڑھیں گے تو اس انقلاب کے پیچھے صیہونی ہاتھ بھی صاف نظر آئے گا۔

سلفیوں کی سیاسی پارٹی ''حزب النور'' کے رویہ کے خلاف اظہار احتجاج کے لئے خود اس پارٹی کے مختلف رہنماؤں نے پارٹی سے استعفیٰ دیا اور متعدد سلفی علماء نے سخت لفظوں میں تنقید کی۔

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ماضی میں بھی جب ظلم کو مٹا کر عدل وانصاف پر مبنی نظام قائم کرنے کی کوشش ہوئی ہے تو سخت ترین آزمائشوں سے گزرنا پڑا ہے —— جب صحابۂ کرام کو ایسے امتحانوں سے گزرنا پڑا تھا تو قرآن ان کو سنبھالتا تھا، چنانچہ کبھی ان سے کہا جاتا کہ ''کیا تم نے سمجھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے بغیر اس کے کہ تم پر پچھلے دور کے لوگوں کی طرح کے حالات آئیں؟ انہیں جنگوں اور فاقوں نے اس طرح گھیرا تھا کہ وہ ہلا دیئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ کے ایمان لانے والے سب پکار اٹھتے تھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن لو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

آپ عالم ہیں، اِس طرح کے متعدد ارشادات خداوندی پر آپ خود غور کریں، انشاءاللہ ان سے تسکین حاصل ہوگی۔

اس شر سے ایک اور خیر کا ظہور ممکن ہے —— موجودہ حالات میں اسلامی نظام عدل کے قیام کے لئے کس قدر صبر، تدریج، اور کیسی تدریجی حکمت عملی سے کام کرنا چاہئے، اور کیا یہ ضروری ہے کہ شروع ہی میں'' نفاذ شریعت'' جیسے مقاصد کا صراحۃً اعلان کیا جائے، اور کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ دستور صرف سادہ اکثریت کا دستور نہ ہو کر پوری قوم کا دستور ہو اس طرح کے نہایت اہم سوالات ہیں جن پر مجھے امید ہے کہ اب عالم اسلام میں زیادہ غور وخوض ہوگا، اور ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد زیادہ معتدل اور مثبت حکمت عملی وہ لوگ بھی اپنائیں جو ابھی تک کچھ اور مزاج رکھتے تھے۔

یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ ''**لن ترضی عنک الیھود ولاالنصاری حتی تتبع ملتھم**'' ''ہرگز نہیں راضی ہوں گے آپ سے یہود ونصاری جب تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی نہ کرنے لگیں'' جیسا کہ ترکی اور تیونس میں آج کل جو کچھ ہو رہا ہے اس سے بھی ظاہر ہے —— مگر یہ بات بھی ناقابل انکار ہے کہ اسلام پسندوں کو استحکام حاصل کرنے کے لئے بہت ہی آہستہ آہستہ آگے بڑھنا ہوگا —— اور اس سلسلہ میں اسوۂ نبوی ﷺ سے بہت کچھ رہنمائی مل سکتی ہے۔ الغرض مجھے ایسا لگتا ہے کہ آنے والے دنوں میں عالم اسلام میں اِن مسائل پر زیادہ سنجیدہ غور وخوض ہوگا، اور اس سے اچھے نتائج نکلنے کی کم از کم مجھے قوی امید ہے —— **عسی ان تکرھو شیئا وھو خیر لکم .....**

امید ہے کہ آپ کی حساس طبیعت کو اِن سطروں سے کچھ تسکین ہوگی —— اللہ تعالی ہم سب کا حامی وناصر ہو،

والسلام

دعا گو اور دعاؤں کا طالب

سجاد نعمانی (وارد حال، سرہند)

۶/جولائی ۲۰۱۳ء

دوالم ناک حادثے

ڈاکٹر سنجے رائے۔ اِلی رحمۃ اللہ!

غالباً ۱۹۹۵ء یا ۱۹۹۶ء کی بات ہے، یہ عاجز صوبۂ بہار کے ایک سفر پر تھا، اُس سفر میں کچھ ایسے نوجوان ملے جنہوں نے اس حقیقت کو قبول کرلیا کہ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، —— ان میں ایک نوجوان تھا، سنجے رائے، اُن دنوں وہ پٹنہ میں میڈیکل کالج کا طالب علم تھا اسی سفر میں چند روز ساتھ رہا، اسی وقت محسوس ہونے لگا تھا کہ اس بندۂ خدا کے اندر بہت اچھی استعداد ہے۔ پھر جب چند ماہ کے بعد اپنی تعلیم مکمل کر کے وہ اس عاجز کے پاس اپنی دینی تعلیم وتربیت کی غرض سے آیا اور ایک لمبی مدت تک ساتھ ہی قیام کیا، تب سب ہی لوگوں نے اس کی غیر معمولی صلاحیتوں، خصوصاً نماز اور قرآن سے اس کے شغف، اور اس کے حسنِ اخلاق کو بہت قریب سے دیکھا، اور سب ہی کو اس طالب صادق سے خصوصی انسیت اور محبت ہوگئی —— ان ہی دنوں میں اپنے ایک اور ہم نام نوجوان کے ساتھ وہ حضرت والد ماجدؒ سے بیعت بھی ہوگیا[1] —— اُن کی جیسی خاص شفقت وتوجہ اُسے حاصل تھی، اس سے ہم خادموں کو یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ بندۂ خدا واقعۃً کوئی قیمتی جوہر ہے۔ کیونکہ جوہری ہی جوہر کی قیمت پہچان سکتا ہے!!

پھر ایک وقت آیا کہ وہ اپنے وطن واپس گیا، شروع شروع میں اسے سخت مخالفتوں، اور سماجی بائیکاٹ وغیرہ کا مقابلہ کرنا پڑا، مگر یہی خبریں ملتی رہیں کہ ہر آزمائش اس کے عزم واستقلال اور ایمان میں اضافہ ہی کا سبب بن رہی ہے —— وہ ہنستا مسکراتا اِن سب مرحلوں سے گزرتا چلا گیا۔ بالآخر صرف ۴۰ سال کی عمر میں ابھی چند دنوں پہلے ۲۱/اگست ۲۰۱۳ء کی شام جب وہ ایک سڑک حادثہ کا شکار ہوکر دنیا سے رخصت ہوا تو اپنے پیچھے بہت اچھی یادوں کے علاہ ایمان کے نور سے منور ایک پورا خاندان بلکہ ایک مختصر سی ایمانی نگری چھوڑ کر گیا۔ **تغمدہ اللہ بوسیع رحمتہ واسکنہ فسیح جنتہ**

---

[1] میرے علم کے مطابق یہ دونوں سب سے آخر میں حضرت والد ماجدؒ سے بیعت ہوئے۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت والد ماجدؒ کے مرض وفات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

۲۱/اگست کی رات عشاء کے بعد مجھے اس حادثہ کی اطلاع بمبئی کے مولانا احمد علی ندوی کے ذریعہ ملی، الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے کہ یہ خبر سن کر دل پر کیا گزری، اللہ کا شکر ہے کہ مرحوم کے لئے مغفرت ورحمت کی اور تمام پس ماندگان کے لئے صبر واستقامت کی دعاؤں میں مشغولیت نصیب ہوگئی۔ کئی دن تک کوشش کرتا رہا کہ مرحوم کے اہلِ خانہ میں سے کسی سے بات ہوجائے، بالآخر کئی دن بعد جب میں لکھنؤ پہونچا تو وہاں سے مرحوم کی بیوہ سے فون پر بات ہوسکی، اور جب اس نے سسکیوں کے درمیان یہ کہا کہ ''ابّی! آجایئے اور امّی کو لے کر آیئے!'' تو دل درد سے بھر آیا، اور میں اگلے ہی دن اپنی اہلیہ کو لے کر جنہوں نے ایک زمانے میں واقعۃً اِن نوجوانوں کی ماں کا کردار ادا کیا تھا پٹنہ کے لئے روانہ ہوگیا، دعوت کے کام میں سرگرم ایک اور جواں عمر ساتھی ڈاکٹر عتیق صاحب نے رات میں اپنے گھر ٹھہرایا، ڈاکٹر صاحب ہی کی رہنمائی میں ہم لوگ صبح ساڑھے پانچ بجے پٹنہ سے روانہ ہوکر ساڑھے آٹھ بجے سمستی پور میں ڈاکٹر سنجے رائے (مرحوم ومغفور) کے گھر پہنچے۔ وہاں جو کچھ دیکھا اور جو کچھ سنا اس سب کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اس بندۂ خدا کی قدر ومحبت دل میں بہت بڑھ گئی، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اس پر ٹوٹ کے رشک آیا، اور اپنے حال زار پر شدید ندامت لاحق ہوئی۔

مرحوم کی بیوی تو شروع ہی میں ایمان لے آئی تھی، اور ایک مدت اس نے بھی ہمارے یہاں ہی گزاری تھی، اور اسی وقت سے وہ دونوں مجھے ''ابّی'' اور میری اہلیہ کو ''امّی'' ہی کہہ کر یاد کرتے تھے، ماں بھی اسی زمانے میں مشرف باسلام ہوگئی تھی، چھوٹا بھائی اور چھوٹی بہن بھی اسی راستے پر پروان چڑھ رہے تھے، اب دیکھا تو بوڑھے والد صاحب بھی تہجد گزار ہیں، جو (غالباً) ڈیڑھ سال پہلے ہی راہ یاب ہوئے تھے۔ بہنوئی پر بھی رنگ چڑھ چکا ہے، چھوٹے بھائی نے تو نماز عصر کی امامت کی، اور نماز کے بعد بہت اچھی دعا کروائی، گھر کی تمام مستورات اور بچیاں مکمل پردہ کی پابند ہیں، اور پورا گھرانہ دین کی دعوت اور اللہ کے بندوں اور بندیوں کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ مرحوم نے اپنے مکان کے ایک حصے میں ایک جگہ نماز باجماعت کے لئے مخصوص کردی تھی، جہاں پانچوں وقت اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی تھی اس سال پوری تراویح بھی ادا کی گئی۔ لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر سنجے رائے کا یہ بھی معمول تھا کہ اپنے اسپتال میں جس کا نام بھی ''ایمان نرسنگ ہوم'' رکھا تھا، کسی مریض کا آپریشن کرنے کے بعد وہیں آپریشن تھیٹر میں ہی کسی کونے میں جانماز بچھا کر صلوٰۃ الحاجت پڑھ کے اُس مریض کی شفایابی کے لئے اہتمام سے

دعا بھی کرتے تھے۔کئی لوگوں نے مرحوم کے تقوی وتوکل ،حسن اخلاق اور تلاوت وتہجد کی پابندی کی گواہی دی،نماز، بالخصوص تہجد کی نماز، اور تلاوت قرآن سے مرحوم کے شغف کا اندازہ اس جملے سے کیا جاسکتا ہے جو اپنی ڈائری میں کبھی لکھا تھا ''اللہ سے بات کرنا چاہو تو قرآن پڑھا کرو اور اللہ سے ملاقات کرنا چاہو تو تہجد پڑھا کرو''۔مرحوم کا اسلامی نام سعید ذاکر تھا، اور ہماری علم ودانست میں مرحوم سعید بھی تھے اور ذاکر بھی،

یہاں یہ بات بھی ذکر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم اس اعتبار سے بھی بڑے خوش نصیب تھے کہ والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی شفقت وتوجہ کے علاوہ مولانا عبداللہ حسنی مرحوم کے واسطے سے انہیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی روحانی نسبت سے بھی فیض اٹھانے کا بھرپور موقع ملا، کیا عجب ہے کہ اِس ترقی واستقامت میں بڑا دخل اِن بزرگوں کی محبت ووابستگی کا بھی رہا ہو؟

اللہ نے مرحوم کو دومرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت بھی نصیب فرمائی تھی ،ایسا لگتا ہے کہ مشیت الٰہی نے جلدی جلدی ان کو بہت سی نعمتوں سے نواز دیا کہ وقت ان کے پاس کم تھا، اور بظاہر مقام بلند ملنا ازل سے طے تھا۔

سچ یہ ہے کہ اِس طرح کے لوگوں کو دیکھ کر یہ فرمان نبوی شدت سے یاد آتا ہے کہ ''**الناس معادن کمعادن الذھب و الفضۃ ،خیارھم فی الاسلام خیارھم فی الجاھلیۃ اذا فقھوا**'' ''انسان سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہوتے ہیں۔ان میں اسلام میں آنے کے بعد وہی لوگ سب سے اچھے ثابت ہوتے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں بھی اچھے ہی تھے ،بشرطیکہ انہیں دین کی سمجھ حاصل ہوجائے''—— کیا عرض کروں، جب مرحوم کی قبر پر گیا تو ایسا محسوس ہوا کہ وہ بندۂ خدا بڑی تڑپ کے ساتھ کہہ رہا ہے! میری قوم کا بھی خیال رکھئے ،میری قوم کا بھی خیال رکھئے!۔۔۔۔

آخر میں یہ عاجز اپنے تمام قارئین کرام سے گزارش کرتا ہے کہ مرحوم کے لئے مغفرت ورحمت اور رفع درجات کی ،اور تمام پس ماندگان کے لئے صبر واجر اور دین حق پر ثبات واستقامت کی دعاؤں کا زیادہ سے زیادہ اہتمام فرمائیں۔اور اس کی بھی دعا کریں کہ ہم سب کو اللہ کے عام بندوں اور بندیوں تک اُن کے اور ہمارے شفیق پرودگار کا محبت بھرا پیغام پہونچانے کی سعادت بھی حاصل ہو۔آمین!!!

میرے عمزاد بھائی حبیب الرحمٰن، الی رحمۃ اللہ!

یہ ہمارے چچا مولانا حکیم محمد احسن صاحب سنبھلی قاسمی (علیہ الرحمۃ) کے پانچویں نمبر کے بیٹے تھے، اور میرے بالکل ہم عمر، شاید ۱۰۔ ۱۲ دن مجھ سے بڑے تھے، ۵۸ سال کی عمر رہی ہوگی۔ گزشتہ چند ماہ پہلے سے ان کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا، یا یوں کہئے کہ دوسروں کو بیماری کا پتہ چلا، (یہ اس لئے کہ ہمارے یہ سب بھائی عجیب قسم کی ہمت لے کر آئے ہیں۔ بہت دن تک تکلیفوں اور بیماریوں کو خاموشی سے برداشت کرتے رہنا اِن سب کا شیوہ ہے) اور دیکھتے ہی دیکھتے بالکل بستر سے لگ گئے۔ میں ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالمؤمن ندوی سے (جو ہمارے حضرت کے خلیفہ ومجاز بھی ہیں) وقتاً فوقتاً ان کی خیریت دریافت کرتا رہا۔ جو خبر ملتی اس سے کبھی آس بندھنے لگتی، اور کبھی ڈر لگنے لگتا، رمضان کے بعد زامبیا سے واپسی پر جو خبر ملی اس سے کافی امید ہوگئی ——— ۲ر ستمبر کی صبح میں ان کی عیادت ہی کی نیت سے اپنے وطن سنبھل پہونچا، اترتے ہی ان کے پاس گیا۔ بتا نہیں سکتا کہ دیکھ کر دل پر کیسی بجلی گری! وہ شخص جو غمزدہ ماحول کو اپنی ظرافت اور خوش طبعی سے گل وگلزار بنا دیتا تھا، وہ جو غم اور تشویش کا دشمن اور ہمت وحوصلہ کا پیکر تھا، وہ جو ہر دم ہنستا مسکراتا اور مسکراہٹیں بکھیرتا ہی نظر آتا تھا، آج اس حال میں ہے کہ ایک کمزور ونحیف اور بے جان جسم لئے گرد وپیش سے بالکل بے خبر بستر پر پڑا ہے۔ صرف سانس کی آمد ورفت سے اس کی زندگی کا احساس ہو رہا ہے ——— اسی دن، شام ہوتے ہوتے راقم کو یہ صاف محسوس ہونے لگا کہ شاید اب ہمارے اس پیارے بھائی کی زندگی کی شام بھی بہت قریب ہے۔ چاہنے والے بھائی، جاں نثار بھتیجے، عزیز از جان بیٹے باری باری منھ میں دوا کے قطرے ٹپکاتے رہے، آکسیجن بھی لگائی گئی، مگر..... بالآخر عشاء کے بعد ۱۰ ربجے کے قریب وہ بڑے سکون کے ساتھ اس تماشا گاہ کی سرحد پار کر گئے۔ اور کمرے کی فضا سسکیوں کے درمیان **انا للہ وانا الیہ راجعون** کے صبر آموز کلمے سے گونج اٹھی۔

ہمارے یہ بھائی حبیب بڑے ہی خوش مزاج اور سبک روح تھے۔ ہنسنا ہنسانا ان کی وہ خصوصیت تھی جو ان کے تمام متعلقین میں مشہور ومعروف تھی، اور آہ! جواں عمری میں ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد یہ شعر کس قدر ان کے حسب حال نظر آتا ہے کہ ؎

فرصتِ خندہ لبی تھی کتنی
پھول ہنسنے کے سوا کیا کرتے

اس خوش مزاجی وظرافت کے ساتھ ساتھ ان کے سینے میں غریبوں کی خدمت اور کمزوروں کی حمایت کا بے پناہ جذبہ بھی تھا، وہ خود ہومیو پیتھک کی پریکٹس بھی کرتے تھے، کتنے ہی غریب مریضوں کو بلا قیمت دوائیں دینا بلکہ ضرورت پڑنے پر مریضوں کے گھر خود دوا پہونچا دینا بھی ان کا معمول بتایا گیا۔

بیماری کے دوران اپنی آخرت کی فکر اور تیاری کی جو توفیق ان کو ملی، اور توبہ واستغفار کا جو حال ان کے قریبی لوگوں نے خصوصاً برادر عزیز ومکرم مولانا عبد المؤمن نے بتایا، اس سب کو سن کر بہت رشک آیا۔ ان کے انتقال کی خبر سن کر جو سینکڑوں لوگ رات ہی میں آ گئے اور پھر اگلے دن نماز جنازہ میں جو زبردست ہجوم امڈا، جس میں علماء وصلحاء اور حفاظ وطلبہ کی بھی خاصی تعداد تھی، اور پھر زبانِ خلق پر مرحوم کے اوصاف واخلاق کا جس طرح تذکرہ سنا، اس سب کے حوالے سے امید بندھتی ہے کہ اللہ نے ان کے ساتھ رحمت ومغفرت کا خاص معاملہ فرمادیا ہوگا۔

امید ہے کہ مولانا عبد المؤمن، مرحوم حبیب بھائی کے بارے میں کچھ تفصیل سے لکھیں گے جو ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں شائع ہوگا —— یہ عاجز محترم قارئین سے اپنے مرحوم بھائی کے لئے، ان کے تمام پسماندگان اور پورے غمزدہ خاندان کے لئے دعاؤں کے اہتمام کی گزارش کرتا ہے۔

☆☆☆

محفل (۱۳۰) سورۃ المائدۃ (۸)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ

حضرت آدم کے دو بیٹوں کے قصہ میں بنی اسرائیل کی فطرت کی عکاسی

قتلِ ناحق کی بابت بیحد سخت تنبیہ اور انبیاء کی پیہم تاکید کے باوجود وہ باز رہنے والے نہ ہوئے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ

اور انھیں ذرا آدم کے دو بیٹوں کا وہ قصہ بھی ٹھیک سے سناؤ جب اُن دونوں نے نیاز پیش کی تو ایک کی اُن میں سے قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ یہ دوسرا اُس پر بولا میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ اس نے کہا کہ اللہ تو بس متقیوں کی نذر قبول کرتا ہے (۲۷) تو اگر میرا قتل کرنے کو ہاتھ بڑھائے گا (تو بڑھا) میں نہیں اپنا ہاتھ بڑھانے والا کہ تجھے قتل کروں۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (۲۸) میں تو چاہوں گا کہ تو ہی میرا اور اپنا دونوں کا گناہ اپنے سر لے لے۔ اور پھر دوزخیوں میں سے ہو جائے۔ اور یہی سزا ظلم کرنے والوں کی ہے (۲۹) اِس پر بھی اُس کے نفس نے آسان اس پر اپنے بھائی کا قتل کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ہی دیا اور ہو گیا خسارہ (کی قسمت) والوں میں سے (۳۰)

پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدتا تھا تا کہ اسے بتائے کہ کیسے وہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے۔ (یہ دیکھ کر) وہ بولا کہ وائے کمبختی، کیا میں اس سے بھی گیا گزرا ہوا کہ اس کوّے جیسا ہو جاتا اور اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ سو بڑا شرمندہ وہ (اپنے اس حال) پر ہوا۔ (۳۱) اسی باعث ہم نے یہ قانون بنی اسرائیل پر ٹھیرایا کہ جس کسی نے کسی انسان کا خون بغیر کسی کی جان کے بدلے یا بغیر کسی فساد انگیزی کے کیا تو اس نے گویا تمام انسان قتل کر ڈالے اور جس کسی نے کسی ایک جان کو بچایا اس نے گویا سب انسانوں کو بچایا۔ اور ان کے پاس ہمارے پیمبر واضح احکام لے کر آتے رہے۔ پھر بھی ان میں کے بہت لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہی ہیں (۳۲)

ربطِ کلام

بنی اسرائیل سے متعلق سلسلۂ کلام سورہ کی آیت (۱۱) کے پس منظر میں شروع ہوا تھا۔ اس آیت میں اشارہ یہود کی ایک سازش کی طرف آیا تھا جس میں حضور ﷺ اور آپ کے ساتھی اصحابؓ کی جان لینے کوشش کی گئی۔ اس پس منظر میں اوّلاً انھیں دعوت دی گئی کہ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے نورِ ہدایت کے ساتھ اس جاہلانہ طرزِ عمل کے بجائے وہ رویہ اپنائیں جو اللہ کے ساتھ ان کے قدیم عہد و میثاق کا حق ہے۔

لیکن یہ تو موقع کی مناسبت سے صرف اِتمامِ حجت تھا، ورنہ وہ تو اپنے آپ کو ایسا پتھر ثابت کرتے آرہے تھے جس میں جونک نہیں لگ سکتی۔ ان کی اس ذہنیت اور اس کی جڑ کا حوالہ • بھی نحنُ ابناؤا اللّٰہِ و اَحِبّائہٗ کے الفاظ سے اسی سلسلہ میں آیا۔ پھر یہاں سے کلام تھوڑی دیر کے لئے اِن کے اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان کے ایک ایسے قصہ کی طرف مڑ گیا جس میں ان کے اس دعوائے محبوبِ الٰہی ہونے کی حقیقت کھلتی تھی۔ اور اب حضرت آدم کے بیٹوں کے اس قصہ سے اس سلسلۂ کلام کی تکمیل ہوئی جاتی ہے جو آیت (۱۱) کے پس منظر میں شروع ہوا تھا۔ یہ دنیائے انسانیت کے اوّلین قتلِ ناحق کا قصہ ہے۔ اور وہی حسد اور جلن اس کی بنیاد ہے جو بنی اسرائیل کے اس مخالفانہ رویہ کی جڑ تھی جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قاتلانہ منصوبہ کی شاخ پھوٹی تھی۔

بنی اسرائیل کے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی کہ نبوت اپنے آخر پہ پہنچ کر ان کا گھرانہ چھوڑ بنی اسمٰعیل میں جا اُترے۔ گزشتہ سورتوں میں جا بجا اس کا حوالہ آتا رہا ہے۔ مثلاً آلِ عمران میں ان لوگوں کے حوالہ سے آیا اَنْ یُّوتیٰ اَحَدٌ مِّثْلَ ما اُوتِیتُمْ۔ (بس یہ بات کہ اب وہ چیز کسی دوسرے کو دیدی گئی جو تمھیں ملی ہوئی تھی؟) یہی منفی جذبہ و احساس انھیں ہر ایسی کوشش اور تدبیر پر اُبھارتا تھا جس سے دعوتِ محمدی کا چراغ گل ہو کر رہے۔ حضرت آدم کے بیٹوں کا قصہ اس حسد ہی کا عبرتناک قصہ ہے، اور ہو بہو اسی جیسا، کہ یہاں بھی ان کی طرح معاملہ ایک ہی گھرانہ کی دو شاخوں کا تھا اور دونوں پیغمبرانہ گھرانے۔ اور قصہ کا اختتام یہ کھلا سبق بھی دے رہا ہے کہ اس ناپاک جذبہ کے ماتحت کئے گئے اقدامات کے نتیجہ میں آدمی خود اپنی نظر میں رسوا ہو کر رہتا ہے۔

جب حسد کی آگ سر پہ سوار ہوتی ہے!

ہاں، تو فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ سنائیں۔ وہ قصہ کہ آدم کے دو بیٹوں نے اللہ کے حضور اپنی اپنی نذر و نیاز گزاری۔ (قَرَّبا قُرْبانًا کا مطلب نیاز گزارنا ہی ہے وہ چاہے کسی جنس سے ہو خاص حیوانی قربانی مراد نہیں ہوتی) ان بیٹوں میں بڑے کا نام قابیل اور چھوٹے کا ہابیل آتا ہے۔ (توریت میں یہ قائن اور ہابل ہیں) ان میں سے ہابیل کی نیاز قبول ہوئی قابیل کی نہیں، اس پر وہ مارے جلن کے بول اُٹھا ''میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔'' اس میں قصور تو کوئی بھی دوسرے کا نہیں تھا، بات جو کچھ تھی وہ اللہ کی طرف سے تھی۔ اور وہ اللہ کے ابتدائی دستور کے مطابق، جو بنی اسرائیل کے عہد تک چلتا

آیا یہ تھی کہ آدمی کوئی نیاز اللہ کے حضور اس کی رضا جوئی میں گزارتا تو اس کی قبولیت کی نشانی آسمان سے آگ کی ایک لپٹ کا اس پر اُترنا اور سوخت کر دینا تھا۔ قبولیت کی یہ آگ ہابل کی نیاز پر اتری جس نے قائن کو بھنّا دیا۔ اور اس کے سر پر خون اس بھنّاہٹ میں سوار ہوا۔ اور پھر قتل کر کے ہی اِس کے باوجود وہ مانا کہ ہابیل نے جواب میں وہ بات کہی تھی کہ حسد نے ذرا بھی عقل ٹھکانے چھوڑی ہوتی تو اوّلاً تو قتل کے لئے اُٹھنے کے بجائے ہاتھ معافی کے لئے پھیلتے۔ اور نہیں تو اپنے قول سے تو بہ وہ ضرور کرتا۔

اور خاصانِ خدا کا خداداد ظرف!

ہابیل نے ایک طرف تو خاصانِ خدا کی زبان میں کہا: تیرا ہاتھ میرے قتل کے لئے بڑھتا ہے تو بڑھے، میرا ہاتھ اس ارادہ سے تیری طرف نہیں بڑھے گا، میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ دوسری طرف یاد دلایا کہ ایسا اقدام کرنے والے کی سزا سیدھا جہنم میں جانا ہے۔ لیکن اُس پر بات کے کسی بھی پہلو کا اثر نہ ہوا۔ بتایا گیا ہے: فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيهِ فَقَتَلَهٗ (لیکن اس کے نفس نے پھر بھی اپنے بھائی کا قتل اس پر سہل رکھا اور قتل اس نے کر ہی دیا۔) اور آخرت کے اعتبار سے جو خسارہ اس کے حصہ میں اس گناہ پر داخلۂ جہنم کی صورت میں آنا تھا وہ اس کا مقدر بنا۔ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِين!

خسارہ ہماری زبان میں آ کر تو کچھ اتنا سنگین نہیں رہا لیکن قرآن کے استعمالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں خسارہ سب کچھ کھو بیٹھنے کا نام ہے۔ اور یہاں اسے بطور تقابل بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ یعنی دیکھنے میں تو مقتول (ہابیل) جان کھونے کے معنیٰ میں خسارہ والے میں سے ہوا لیکن فی الحقیقت خسارہ میں تمام تر قابیل ہی رہا کہ اصل خسارہ تو ابدی زندگی کا خسارہ ہے۔

کوّے سے بھی گیا گزرا

اور یہ خسارہ آخرت ہی کے اعتبار سے نہ تھا، دنیا میں بھی اس کا ایک رُخ فوراً ہی سامنے آ گیا۔ کرنے کو قتل تو اس نے بھائی کا کر دیا مگر یہ دنیا کا پہلا واقعہ تھا۔ اب لاش مسئلہ بن گئی کہ اس کا کیا کرے؟ اللہ نے اس کے لئے عذاب بن جانے والے اس مسئلہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے: سو اللہ کے حکم سے ایک کوّا وہاں پہنچا اور اس نے زمین کریدنا شروع کی تا کہ وہ اس نادان کو دکھائے کہ یہ طریقہ ہے بھائی کی لاش ٹھکانے لگانے کا۔ یعنی زمین کھودو اور دفن کرو۔ قرآن کہتا ہے یہ دیکھ کر اس بدنصیب نے مارے ندامت کے سر پیٹ لیا کہ وائے کمبختی، مجھے تو کوے جیسی عقل بھی نہ ملی جو بھائی کی لاش دفنا سکتا۔ لاش کے لئے لفظ

سَوْءَۃَ آیا ہے۔اس کے لفظی معنی جسم کا وہ حصہ جسے شرمگاہ کہا جاتا ہے اور چھپایا جاتا ہے۔مردہ خود ایسی ہی چیز ہوتی ہے۔کوّے کے مذکورہ عمل کے سلسلہ میں یہ ایک روایت بھی آتی ہے کہ زمین کھود کر وہ ایک مردہ کوے کی لاش کو اس میں چھپانے لگا تھا۔اور قرآن کے الفاظ: یٰوَیْلَتٰی اَعَجَزْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِثْلَ ھٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَۃَ اَخِیْ (وائے کمبختی، میں اس کوے سے بھی گیا گزرا ٹھیرا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی سمجھ بھی نہ آئی) میں اس کی گنجائش نکلتی ہے۔واللہ اعلم

قصہ کا ربط بنی اسرائیل کے تذکرہ سے

آگے فرمایا جارہا ہے: مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا۔۔۔۔'' (اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل کے لئے قانون ٹھیرایا تھا کہ جس کسی نے کوئی ایک جان بغیر اس جرم کے لی کہ اس نے کوئی جان لی ہو یا ملک میں فساد پھیلایا ہو، تو اس نے گویا تمام انسانوں کی جان لی اور جس کسی نے ایک جان بچائی تو اس نے گویا ساری انسانیت بچائی) یہ آیت صاف اشارہ دے رہی ہے کہ آدمؑ کے دو بیٹوں کا یہ قصہ بنی اسرائیل والے سلسلۂ کلام سے کیا تعلق رکھتا ہے۔ بنی اسرائیل سے متعلق کلام جو آنحضرت ﷺ اور آپ کے چند ساتھی اصحاب کے خلاف ان لوگوں کی ایک سازشی کوشش کے پس منظر میں شروع ہوا تھا وہ بالکل ایسے ہی ایک قتل کی ایک کوشش تو تھی جیسا قتل اس قصہ میں آیا اور جو مذکورہ بالا قانون کی رو سے ایک عظیم گناہ تھا۔پس اس قانون کے یہاں تذکرہ میں صاف زجر و ملامت بنی اسرائیل کے لئے پنہاں ہے کہ ہمارا ٹھیرایا ہوا یہ قانون تو ایک عام آدمی کے بے جواز ہلاک کئے جانے کو بھی ساری انسانیت کا ہلاک کرنا قرار دیتا تھا اور یہ شقی لوگ اس خاتم النبیین ﷺ کے قتلِ ناحق پہ آمادہ تھے جس کی بعثت میں فی الحقیقت پوری انسانیت کی ایک نئی زندگی پوشیدہ تھی!

پھر فرمایا جاتا ہے: وَلَقَدْ جَآءَتْھُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ۔۔۔ (اور ان کے پاس برابر ہمارے رسول واضح احکام لیکر آتے رہے، پھر بھی ان میں کے اکثر لوگ حدود سے نکلنے والے ہی رہے۔) آیت کے اس آخری جملہ میں اگرچہ اس قانون کی تخصیص نہیں ہے لیکن جس موقع پر یہ آرہا ہے وہ صاف طور پر تاثر خاص کر اسی قانون کی یاددہانی کا دے رہا ہے، کہ اس پے بہ پے یاددہانی کے باوجود یہ ایسے عظیم گناہوں پر اس درجہ جری رہے۔

چند وضاحت طلب باتیں

(۱) نیاز نہ قبول ہونے پر قابیل کی دھمکی کے جواب میں ہابیل کا قول آیا کہ ''اللہ تو متقیوں کی نذر قبول کرتا ہے۔'' اس پر کسی کو شبہ گزر تو سکتا ہے کہ ہابیل نے اپنے متقی ہونے کا دعویٰ کیا، مگر یہ بس وہم ہوگا۔ یہ قول جس موقع پر ہے اس پر نظر رکھی جائے تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ مجھ پر کیوں طیش دکھا رہے ہو؟ نیاز قبول نہیں ہوئی تو یہ کیوں نہیں سوچتے کہ تقوے کی کمی رہ گئی؟ ورنہ تمہاری محرومی میں میرا کیا دخل؟

(۲) اس کے بعد دوسرا قول ہے کہ ''تو اگر میرے قتل کے ارادہ سے دست درازی کرتا ہے تو کر، میں نہیں ایسا کروں گا، میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھ پر اپنا ہاتھ قتل کے ارادہ سے نہیں بڑھاؤں گا۔ یعنی بارادۂ قتل ہاتھ بڑھانے کی نفی ہے یہ نہیں کہ اپنے بچاؤ کے ارادہ سے بھی نہ بڑھاؤں گا۔ پس بچاؤ کے ارادہ سے بڑھانے کی گنجائش اس میں رہتی ہے، اب بڑھانا نہ بڑھانا یہ اپنے اختیار کی بات ہے۔ اور اس طور پر ہاتھ بڑھانے میں سامنے والے کا قتل بھی ہوجائے تو کوئی گناہ نہیں، کیونکہ اس کا ذمہ دار بھی وہی ہے جس نے ابتدا کی۔ لیکن اس قصہ میں کیا ہوا۔ ہابیل نے دفاعی ہاتھ بڑھایا تھا یا نہیں؟ قرآن کے الفاظ میں کوئی اشارہ ہاتھ بڑھانے کا نہیں ملتا۔ بظاہر اس نے غایتِ تقویٰ وطہارت کی وہ مثال قائم کی جو شہیدِ تقویٰ وتقدّس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کردار میں ملتی ہے۔

(۳) دوسری بات اسی قول میں یہ آئی کہ ''میں چاہتا ہوں کہ اپنے گناہ کے ساتھ میرا گناہ بھی تو اپنے سر لے۔'' تو قابیل کا گناہ تو ظاہر ہے مگر اس مظلوم معصوم کا گناہ کیا ہوسکتا ہے؟ اس کی ایک توجیہ میں مفسرینِ سلف حضرت ابنِ عباس وغیرہ کا قول یہ ہے کہ میرے گناہ (اِثمی) سے مطلب میرے قتل کا گناہ اور تیرے اپنے گناہ (اثمِکَ) سے مطلب اس کے ماسوا جو گناہ قابیل کے اور ہوں۔ اس توجیہ میں گویا یہ مانا گیا ہے کہ ہابیل کے الفاظ میں دفاعی مزاحمت کی گنجائش چاہے ملتی ہو مگر الفاظ کا آہنگ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ کسی مزاحمت کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اور ظلماً قتل ہوجانے ہی کا فیصلہ انھوں نے کرلیا تھا۔

لیکن الفاظ کی رو سے دفاعی مزاحمت کو خارج از بحث چونکہ نہیں قرار دیا جاسکتا اس لئے بعد کے بعض مفسرین نے اس قول کا مطلب یہ لیا ہے کہ تیری دست درازی کے نتیجہ میں میں نے بھی اگر مدافعت کی اور تو قتل ہوا تو تیرے ہاتھ سے میرے قتل (یا کامیاب نہ ہوا تو ارادۂ قتل) کے گناہ کے ساتھ ساتھ اس تیرے قتل کا گناہ بھی تیرے ہی سر آئے گا، اس لئے کہ اس کا باعث تو بنا، میرا کوئی ارادہ ایسا نہ تھا۔ اور شرعی مسئلہ

بھی ایسی صورت کا یہی ہے۔

(۴) آخری آیت میں حضرت آدم کے بیٹوں کے قصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل پر قانون ٹھیرایا کہ بے جواز کسی ایک انسان کا قاتل گویا پوری انسانیت کا قاتل ہے۔۔۔۔الخ۔قصہ تو ظاہر ہے بنی اسرائیل کے وجود میں آنے سے ہزارہا سال پہلے کا ہے۔پھر یہ بھی نہیں کہ بنی اسرائیل سے پہلے قتلِ ناحق کا معاملہ کچھ ہلکا اللہ کی نگاہ میں رہا ہو انسان کی جان تو پہلے دن سے وہی ایک قیمت رکھتی آئی ہے۔اس لئے اس ارشاد کا مطلب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ بنی اسرائیل پر یہ قانون ٹھیرائے جانے کا سبب یہ واقعہ بنا، بلکہ اس واقعہ میں جو بالکل ننگی بہیمیت نظر آتی ہے ''اسی کے باعث'' کا یہ اشارہ دراصل اسی بہیمیت کی طرف ہے نہ کہ قصہ کی طرف۔اور اس جرم کی بابت اس شدت کا اظہار خصوصیت سے بنی اسرائیل ہی کے حوالہ سے کیا جانا یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ ان میں بھی اس بہیمانہ جرم کے جراثیم گویا اسی درجہ کے تھے جس درجہ کا مظاہرہ قابیل کے فعل سے ہوا تھا۔امام ابوبکر جصاص نے اس موقع پر تحریر فرمایا ہے۔فیہِ اِبانۃٌ عنِ المعنیٰ الّذی من اجلہٖ کُتِبَ علیٰ بنی اسرائیل (اس میں اشارہ واقعہ میں پوشیدہ اس بات کی طرف ہے جو بنی اسرائیل پر یہ حکم لکھے جانے کا باعث بنی۔واللہ اعلم

☆☆☆

ماہنامہ الفرقان

میں اپنے کاروبار کا اشتہار دیکر اپنے کاروبار کو فروغ دیں
نیز ادارے کے ساتھ اپنا تعاون شامل کر کے اجر حاصل کریں

رابطہ کریں: ماہنامہ الفرقان لکھنؤ۔ ۱۱۴/۳۱، نظیر آباد لکھنؤ 226018،

Ph:+91-522-4079758

Email: monthlyalfurqanlko@gmail.com

nomani_sajjadbilal@yahoo.com

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
ترتیب وپیشکش: محمد سلیم قاسمی

ماں کی گود

[اِس سال بھی رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں مسجد عمر (لوساکا، زامبیا) میں روزانہ صبح حضرت والا کا ایک بیان خاص طور پر مستورات کے لئے ہوتا تھا، جو بہت بڑی تعداد میں مسجد سے کافی دور ایک اسکول کے ہال میں جمع ہوتی تھیں۔ معتکفین کے علاوہ (جن کی تعداد تقریباً چار سو تھی) شہر سے آنے والے مقامی حضرات بھی کافی تعداد میں اس مجلس میں حاضر رہتے تھے — ذیل میں اس سلسلے کا پہلا بیان پیش کیا جارہا ہے جو ۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ میں ہوا تھا ——— مدیر]

اللھم صل علی سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد و بارک وسلم

بجلی نہ ہونے کی وجہ سے آج ہمارا پروگرام مؤخر ہوا، تاہم جو تھوڑا سا وقت ہے اس میں آج کے مضمون کے بارے میں کچھ مختصر باتیں کردی جاتی ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا کہ جوان العمر بچیاں جب اسکول، کالج، یونیورسٹی سے فارغ ہوتی ہیں، تو مناسب رشتہ ملنے پر ان کی شادی کردی جاتی ہے، پھر وہ ماں بن جاتی ہیں، مگر ان کو پتہ نہیں ہوتا کہ ماں بن کر کیا کرنا چاہئے؟ کوئی ایسی ڈگری بھی نہیں جو **parenting** سے متعلق ہو، کوئی ڈپلوما بھی نہیں اور ایسی کتاب بھی عام طور پر کم ملتی ہے، جس میں بچوں کی تربیت کے بارے میں ہر پہلو کو تفصیل سے بتایا گیا ہو۔ بعض کتابیں دینی اعتبار سے بچیوں کی تربیت کے متعلق ہیں مگر میڈیکلی بالکل میٹریل نہیں ملتا۔ تو اس بات کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ ہم نے کئی best selling books (دنیا کی زیادہ مقبول کتابیں) خریدیں اور ۲۵۔۳۰ کتابوں کا مطالعہ کیا، پھر آسٹریلیا سے بچوں کے growth کے بارے میں ایک بہت بڑا ادارہ ہے اس کے ریسرچ پیپر منگوائے، پھر امریکہ کی دو یونیورسٹیوں سے ریسرچ پیپر منگوائے، پھر پتہ چلا کہ یوروپ میں فرانس کے جو بچے ہوتے ہیں ان کے طور طریقے سب سے اچھے سمجھے جاتے ہیں تو ہم نے پھر وہاں سے کتاب منگائی، پھر پتہ چلا کہ پورے

یوروپ میں جرمن لوگوں کے جو بچے ہیں وہ ذہانت کے اعتبار سے سب سے آگے ہوتے ہیں، تو ہم نے ان کا میٹیریل منگوایا۔ تو الحمدللہ مہینوں کی محنت کے بعد ہم نے بچے کی پرورش کے بارے میں جو مضمون تیار کئے تو وہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے ہیں امید ہے کہ آپ ان کو دل کے کانوں سے سنیں گی نوٹس بنائیں گی اور اس کو ایک اپنے لئے **document** (دستاویز) کے طور پر استعمال کریں گی۔ یاد رکھیں! ڈرنے کی بات نہیں ہوتی سمجھنے کی بات ہوتی ہے جب بچی کو پتہ چل گیا کہ بچے کی پرورش کیسے کرنی ہے پھر اس کو کوئی ڈر، خوف نہیں ہوگا۔

پہلی بات یہ ہے کہ بچے کی پیدائش سے پہلے ماں کو ذہنی طور سے تیاری کرنی چاہئے بچے کی ولادت سے پہلے ذہنی تیاری کا کیا مطلب؟ کئی مرتبہ stress (ذہنی تناؤ) میں ماں ہوتی ہے، خوف ہوتا ہے، ڈر ہوتا ہے طبیعت میں کہ کیا بنے گا؟ یا ڈپریشن کی کنڈیشن ہوتی ہے ان تمام صورت حال میں بچے کے اوپر اس کا اثر ہوتا ہے چنانچہ اپنی negative thinking (منفی سوچ) کو ٹھیک کرلیں **relax** کریں اور یہ سوچیں کہ اللہ نے مجھے ایک نعمت دی ہے بس اب اس کو پرورش دینا یہ میرا کام ہے۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جس لمحے بچے کی پیدائش ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی ماں کے پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔ تو یہ ایک نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ بچے کی پیدائش کے تین دن کے اندر اندر بچہ مخاطب کے خوشی اور غمی کے انداز کو پہچاننا شروع کردیتا ہے۔ بات کرنے والا سختی سے بات کرے تو اس کو محسوس ہوتا ہے۔ خوشی سے بات کرے تو اس کو محسوس ہوتا ہے۔ تو اندازہ لگائیے کہ بچے کا دماغ پیدا ہوتے ہی اس قابل ہوتا ہے کہ وہ سمجھ جاتا ہے کہ بات کرنے والا خوش ہے یا ناراض ہے۔ شریعت کی خوبصورتی دیکھئے کہ شریعت نے کہا کہ بچہ جیسے ہی پیدا ہو، اس کے ایک کان میں اذان اور دوسرے میں اقامت دیکر، اس کے ذہن میں اللہ کا نام پہنچادو۔ آج سائنس اس بات کی تصدیق کررہی ہے کہ اس چھوٹی عمر میں بھی بچہ message (پیغام) کو receive (وصول) کرتا ہے اور وہ اسکی memory (یادداشت) کا حصہ بن جاتا ہے تو شریعت نے کہا کہ سب سے پہلے اللہ کا نام اس کے ذہن میں جائے۔

ہمیں چاہئے کہ بچے سے بات کرتے ہوئے اللہ کا نام لیں، السلام علیکم کہیں، خوش ہو تو اس کو جزاک اللہ کہیں، یہ الفاظ اس عمر میں جب بچہ سنتا ہے تو اس کی گھٹی میں پڑ جاتے ہیں۔ بچے کو جس طرح دودھ

کی ضرورت ہے اسی طرح بچے کو ماں کے پیار کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ماں جتنا بچے کو اٹھائے گی، kiss کرے گی، hug کرے گی، (پیار کرے گی، سینے سے لگائے گی) ان تمام چیزوں کے اس کے اوپر اثرات ہونگے، تو ماں کی محبت بچے کی نشوونما کو بڑھا دیتی ہے۔

ایک بات یہ ذہن میں رکھئے کہ بچہ جب رو رہا ہوتا ہے تو اکثر مائیں ان کو اٹھاتی ہیں تو right side پر اٹھائیں تو بچہ جلدی چپ نہیں ہوتا، left side پر اٹھائیں تو بچہ جلدی چپ ہوجاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ سائنسدانوں نے تجربہ کیا کہ بچہ اس لئے جلدی چپ ہوجاتا ہے کہ ماں جب اس کو اپنے بائیں طرف لگاتی ہے تو اس کے دل کی دھڑکن کی آواز بچے کے کان میں پہنچتی ہے یہ وہ آواز تھی جو آواز وہ پیدائش سے پہلے ماں کے پیٹ میں سنا کرتا تھا، تو وہ مانوس ہوتا ہے اس نغمہ سے اور اس کو سنتے ہی وہ رونے سے خاموش ہوجاتا ہے اور اللہ کی شان دیکھئے کہ اللہ نے ماں کے left side پر breast (بائیں چھاتی) سے نیچے انسان کا دل بنایا تو بچہ جب ماں کی چھاتی سے دودھ لے رہا ہوتا ہے، تو اس کا کان ٹھیک دل کے اوپر آرہا ہوتا ہے، تو فطری طور پر اس وقت بچہ سکون محسوس کرتا ہے کہ میں اپنی ماں کی گود میں ہوں۔ اس لئے بچے کو جس طرح دودھ پلانا ضروری، اس کو پیار کرنا بھی ضروری ہے۔

شریعت نے کہا **کل ولد یولد علیٰ فطرۃ الاسلام** ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ بچہ اپنے اندر صفات لیکر آتا ہے اگر اس کی تربیت اچھی کی جائے تو وہ ولی بن سکتا ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ اگر ماں کا دودھ پیئے گا تو ماں سے رشتہ مضبوط ہوجائے گا اور فقط farmula millk پیئے گا تو ماں کے ساتھ وہ رشتہ نہیں بن پائے گا شاعر نے کہا:

طفل سے بوآئے کیا ماں باپ کے افکار کی
دودھ ڈبے کا ملا تعلیم ہے سرکار کی

فرینچ لوگ کہتے ہیں کہ ماں کو چاہئے کہ بچے کی حرکات، سکنات کو غور سے دیکھیں جن دنوں میں بچہ دودھ پی رہا ہوتا ہے اس کے کیریکٹر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور جس طرح کا پھر وہ بچہ ہو اس کو اسی طرح سے deal کرنا آسان ہوتا ہے۔ ایک اہم بات جو آج بتانی ضروری ہے کہ جب بچہ کو بھوک لگی ہو تو وہ خود کھانا مانگتا ہے، پیاس لگی ہو تو پینا مانگتا ہے، جب اس کو نیند آرہی ہو تو خود سونے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ یہ کھانا، پینا، سونا یہ سگنل کہاں سے آتے ہیں؟ یہ انسان کے brain (دماغ) سے جاری ہوتے ہیں تو

brain سگنل جاری کرتا ہے۔

چنانچہ ہزاروں ڈاکٹروں نے لاکھوں ڈالر خرچ کر کے کئی سال تک یہ ریسرچ کی کہ بچے کا ذہن عمر کے مختلف مراحل میں سگنل کب اس کو دیتا ہے۔ بچے کے دانت کس عمر میں نکلتے ہیں، وہ بیٹھتا کس عمر میں ہے، بولنا کس عمر میں شروع کرتا ہے تو انہوں نے یہ دیکھا کہ ہر بچے کے ذہن میں گیارہ windows (کھڑکیاں) کھلتی ہیں یکے بعد دیگرے اب اگر جو window کھلے اس بچے کو وہی کام کہا جائے تو وہ آسانی سے کر لیتا ہے جیسے پیاس لگی ہے آپ بچے کو اس وقت اگر دودھ دیں تو فورا پی لے گا نہ روئے گا، نہ انکار کرے گا، ان کھڑکیوں کو windows magic کہتے ہیں یہ 11 ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلی window جو بچے کے ذہن میں کھلتی ہے اس کا نام ہے introduce botell windows کہ بچہ ماں کا دودھ تلاش کر رہا ہوتا ہے لیکن کبھی دودھ کم ہوتا ہے کبھی ماں available ہر وقت نہیں ہوتی تو بچے کو بوتل دینے کی ضرورت ہوتی ہے اب یہ بوتل کب سے دینا شروع کریں، عورتوں کو اس کا پتہ نہیں ہوتا تو تجربات نے یہ ثابت کیا کہ یہ عمر two weeks سے لیکر four weeks تک ہے یعنی بچے کو دو ہفتے کے بعد آپ بوتل سے دودھ دے سکتی ہیں یہ ضروری نہیں کہ formulla millk دیں، ماں کا دودھ اگر خود زیادہ ہے تو اس کو پمپ کے ذریعے سے نکال کر فریج میں بھی رکھا جا سکتا ہے اور جب ماں دور ہے یا کسی وجہ سے خود دودھ نہیں پلا سکتی تو اس کو بوتل کے ذریعے وہ دودھ بھی دیا جا سکتا ہے تاہم بوتل دو سے لیکے چار ہفتے کے درمیان دینا چاہئے جو ماں باپ بوتل اس وقت میں نہیں دیتے اور یہ window close ہو جاتی ہے تو ایک مہینے کے بعد پھر بچہ بوٹل کو لینے میں بہت resist کرتا ہے، روتا ہے، تنگ کرتا ہے، لے تو لیتا ہے، مگر مصیبت کرتا ہے، اس لئے کہ بچہ کا brain اس وقت تیار نہیں ہوتا تو بوتل کا استعمال شروع کرنے کا وقت تو دو ہفتوں سے لیکر چار ہفتوں تک ہے یہ پہلی window ہے جو دماغ میں کھلتی ہے۔

دوسری کھڑکی ۴ مہینوں سے لے کر ۶ مہینوں کے درمیان کھلی رہتی ہے اور اس کا نام ہے sleep train time اس دوران بچے کو سونے کے وقت کا پابند بنایا جا سکتا ہے اس سے پہلے بچے کو دن اور رات کا پتہ نہیں چلتا کب سونا ہے، اور کب جاگنا ہے لیکن جب وہ چار سے چھ مہینے کے درمیان آجاتا ہے۔ تو اب آپ اگر بچے کو مغرب کے وقت سلائیں تو وہ فجر تک سو سکتا ہے۔ چنانچہ اس وقت بچے کو آپ عشاء کے وقت سلا سکتی ہیں اور بچہ آپ کو رات کو تنگ نہیں کرے گا آرام سے وہ فجر تک سویا رہے گا۔ اور اگر آپ نے ۴ سے

۶ ماہ تک کے درمیان یہ کام نہ کیا تو بچہ سوئے گا، جاگے گا، خود بھی تنگ ہوگا، اور آپ کو بھی تنگ کرے گا۔ سلاتے ہوئے بچے کو ضرور لوری سنائیں کیونکہ بچہ نغمہ کو پسند کرتا ہے حسبی ربی جل اللہ، مافی قلبی غیر اللہ، نور محمد صلی اللہ لا الٰہ الا اللہ یا اور اس قسم کی لوریاں جو مائیں سناتی ہیں تو بچہ اس کو سن کر سکون سے سوجاتا ہے۔

تیسری کھڑکی جو بچے کے ذہن میں کھلتی ہے اسکا نام solid start یعنی بچے کو کھانے کی چیز کھلانا اور یہ کھڑکی ۶ ماہ کے بعد کھلتی ہے جیسے بچہ six month کا ہوگیا وہ solid لینے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ بعض مائیں چھ مہینے سے پہلے اس کو ٹھوس غذا دینا شروع کردیتی ہیں مگر بچے کا ذہن اس وقت اتنا زیادہ تیار نہیں ہوتا چنانچہ بچے کو نقصان ہوتا ہے تو چھ مہینے سے پہلے solid نہیں شروع کرنے چاہئے، solid شروع کروانے کی چار علامات ہیں۔

پہلی علامت کہ بچہ آرام سے بیٹھ سکے۔ دوسرا اپنے سر کو اچھی طرح کنٹرول کرسکے۔ تیسرا اگر اس کے ہاتھ میں کوئی چیز ہو تو وہ خود اس کو منھ میں لیکر جائے۔ اور چوتھا کہ کھانے میں اس کو شوق ہونا شروع ہوجائے جب یہ چار علامتیں دیکھ لیں تو اس کا مطلب یہ کہ اب بچے کو solid شروع کروانا چاہئے اکثر مائیں یہ غلطی کرتی ہیں کہ وہ solid فجر کے وقت کھلاتی ہیں جب کہ فجر کے وقت ماں کا اپنا دودھ زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے شام میں کم ہوتا ہے لہٰذا solid شام کو دینا چاہئے ایک تو دودھ کی کمی پوری ہوجاتی ہے اور دوسرا solid کھانے سے بچہ رات کو پرسکون نیند سوجاتا ہے۔

چوتھی کھڑکی اس کا نام ہے sip cup window کہ بچہ نے کھانا تو سیکھ لیا، اب پینا بھی سیکھے۔ چنانچہ ۶ سے ۹ ماہ کے درمیان بچے کو دوہرے ہینڈل والا کپ دینا چاہئے، اس cup کے اندر farmulla millk بھی ڈالا جاسکتا ہے ماں کا اپنا دودھ بھی اس کو دیا جاسکتا ہے۔

پانچویں کھڑکی کا ٹائم ہے وہ بارہ مہینے سے لیکر اٹھارہ مہینے یعنی سال سے ڈیڑھ سال تک، کیونکہ اس عمر میں بچہ چلنا شروع کردیتا ہے تو اب اس کو ماں سے جدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے کہ دوری کا احساس بڑھ جاتا ہے تو بچہ کسی نہ کسی ایسی چیز سے attached ہوتا ہے، اس خلا کو پُر کرنے کے لئے مثلاً پھر تکیہ ہاتھ میں لینا پسند کرے گا کھلونا ہاتھ میں لینا پسند کرے گا، گڑیا کو ہاتھ میں لینا پسند کرے گا، یا جب دودھ پیئے گا، سوئے گا تو ماں کے بالوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑنا پسند کرے گا۔ جو بھی کوئی ہے وہ بچے کی ایک

attachement ہوتی ہے یہ فطری چیز ہے۔لہٰذا ماں اس کو یہی سمجھیں کہ یہ فطرت کا حصہ ہے ہاں ساٹھ فیصد بچوں کو یہ چاہئے۔ ۴۰ فیصد بچے ایسے ہوتے ہیں جنہیں اس کی اتنی فکر نہیں ہوتی۔

چھٹی کھڑکی جو بچے کے دماغ میں کھلتی ہے یہ بارہ مہینے سے لے کے تیئیسویں تک یہ وقت ایسا ہے کہ بچے کو چُسنی دی جاتی ہے اس کو چھوڑنے کا وقت ہے اگر بارہ مہینے سے تیئیسویں مہینے تک آپ اس سے چُسنی چھڑوائیں تو بچہ آسانی سے چھوڑ دے گا اگر اس کو چُسنی لینے کی عادت زیادہ ہے تو بچہ پھر بولنے میں دیر کرے گا اس لئے اس مدت کے اندر چُسنی کا چھڑوانا ضروری ہوتا ہے،اور اگر جلدی نہ چھوڑے گا تو اس کا دانتوں کی نشونما پہ بھی اثر پڑے گا بعد میں،لہٰذا اس دوران چُسنی اس سے چھڑوانا چاہئے۔جو بچہ دو سال تک چُسنی نہیں چھوڑتا پھر اس کی عادت بن جاتی ہے پھر وہ بڑا ہونے تک بھی انگلی کو منھ میں رکھے گا اور اپنی عادت کو پورا کرے گا اس لئے ۲۳ ماہ تک چُسنی کا چھڑوانا ضروری ہے تاکہ اسی مدت کے اندر اندر میسیج مل جائے کہ اس نے چُسنی چھوڑ دی۔

ساتویں window اس کا کام ہے بستر پر بچے کو سلانا شروع کرنا۔یعنی یہ کہ شروع میں بچہ کریب پر سوتا ہے اب جب اڑھائی سال سے تین سال کی عمر ہوگئی تو اس کو پالنے سے بستر پر لانا ہوتا ہے ۔تو یہ بھی ایک مستقل کام ہے،جو مائیں اس کو اڑھائی سال سے پہلے بیڈ پہ سلانے کی عادت ڈالتی ہیں تو بچہ تنگ کرتا ہے اور ماؤں کو وجہ کا پتہ نہیں چلتا تو اڑھائی سال سے پہلے وہ کریب میں سوئے اور اگر بڑا ہے تو اس کریب کے اوپر ٹینٹ لگائیں تاکہ باہر نہ نکلے اور جب اسکو بیڈ پر لانے کے لئے کوشش کریں تو آپ کچھ دن پہلے بچے کو بتانا شروع کریں بڑے بچے بیڈ پہ سوتے ہیں تو وہ بچہ ذہنی طور پر تیار ہوجائے گا اور بیڈ پر سونا شروع کردے گا۔

آٹھویں window کا نام ہے پوٹی ٹرین ونڈو یہ اڑھائی سال سے تین سال کے درمیان یہ window کھلتی ہے اس میں بچے کو پوٹی کے لئے ٹرین کیا جاسکتا ہے جو مائیں اس سے پہلے ٹرین کرتی ہیں تو بچے ٹرین ہوتے ہوتے اتنا تنگ کرتے ہیں کہ مائیں ان کو صاف کرکر کے تنگ ہوجاتی ہیں،تو اڑھائی سال سے تین سال کے درمیان کا وقفہ پوٹی خود سے کرنا سکھانے کا بہترین وقفہ ہے اور اگر آپ دیکھیں کہ بچہ نہیں سیکھنا چاہ رہا ہے تو تھوڑے دن اور انتظار کرلیں کہ بچہ ذہنی طور پر تیار نہیں اس کے برین نے ابھی اس کو سگنل نہیں دیا۔

نویں window کا نام ہے میجک ونڈو اینڈ نیپ ٹائم کہ بچہ پہلے رات میں بھی سوتا ہے دن میں سوتا ہے یہ window کھلتی ہے تین سے لیکے پانچ سال کی عمر میں اس دوران اگر بچے کو سکھایا جائے تو دن کا لمبا سونا وہ چھوڑ سکتا ہے تا کہ وہ آگے پڑھائی کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جائے۔

دسویں کھڑکی پانچ سے سات سال کے درمیان ہوتی ہے اس میں دماغ انسان کو بیلینسنگ سکھاتا ہے تو بچہ اپنی body کو balance کرنا سیکھتا ہے۔ چنانچہ اس کو آپ پہلے سائکل دیتی تھیں تو اس میں ساتھ ساتھ بڑے پہیوں کے دو چھوٹے چھوٹے پہیے بھی تھے جو بیلینس رکھتے تھے مگر پانچ سے سات کے درمیان وہ جو بیلینس کے جو پہیے ہیں وہ اتارے جا سکتے ہیں اور بچہ دو پہیوں والی سائکل کو چلا سکتا ہے مگر ابتدا میں یہ کریں کہ پیدل اتار دیں اور بچے کو کہیں کہ اس کے اوپر بیٹھ کر اپنے پاؤں کو اٹھا کر خود بیلینس کریں ،تو بچہ جلدی بیلینس کرنا سیکھ لیتا ہے، اور پھر اس کے بعد وہ دو پہیوں والی سائکل کو آسانی سے چلا سکتا ہے۔

گیارویں window کا نام ہے باتھ وِنڈو یہ چھ اور سات سال کے درمیان بچہ کا ذہن اس کو خود نہانا سیکھنے کی ٹریننگ دیتا ہے۔ بچے اس سے پہلے بھی خود نہا لیتے ہیں مگر وہ پھِسل سکتے ہیں، وہ گر سکتے ہیں، اور ان کو زخم لگ سکتا ہے، وہ گرم ٹھنڈا پانی جو ہے، اس کو غلط کھول کے جسم کو جلا سکتے ہیں یا وہ باتھروم کو گندا کر سکتے ہیں، لیکن پانچ اور چھ اور سات سال کے درمیان یہ وہ window ہے کہ جس میں وہ خود سے صحیح طرح نہانا سیکھ سکتے ہیں اس میں بچہ اپنے بالوں پہ شیمپو لگانا سیکھ لیتا ہے اور اپنے جسم کو واش کرنا یہ تمام چیزیں بچہ آسانی سے سیکھ سکتا ہے۔ گرم ٹھنڈے پانی کا کنٹرول ٹھیک سے کر سکتا ہے مگر بچوں پر جب پانی پڑتا ہے تو وہ ذرا ڈرتے ہیں تو ماں کو چاہئے کہ شروع میں ان کو اپنی نگرانی میں نہلائیں، ہاں اگر بیٹی ہے تو ماں خود نہاتے ہوئے اس کو اپنے ساتھ نہلائیں اور اس کو سکھائیں کہ بالوں کو کیسے شیمپو لگایا جاتا ہے، کیسے اس کو صاف کیا جاتا ہے، ورنہ بچے آدھا صابون دھوتے ہیں، آدھا لگا ہوتا ہے، بیٹا ہے تو باپ اس کو اپنے ساتھ جو ہے وہ سکھائیں کہ کس طرح نہانا ہوتا ہے، جسم کو صاف کرنا ہوتا ہے، ملنا ہوتا ہے، تو یہ چھ سے لیکے سات سال کے درمیان یہ شاور لینے کا طریقہ بچے کو اچھی طرح آ سکتا ہے۔ یہ windows تھیں جس کے اندر اگر کام کیا جائے گا تو بچے بڑے جلدی اس کو سیکھ لینگے۔

اب دس مختصر نکات بتائے جاتے ہیں کہ جو بچوں کے پریٹنگ میں کام آتے ہیں۔ سب سے پہلا جہاں بھی آپ بچے کو چوائس دے سکتی ہے ضرور دیں، مثلاً کئی چیزیں کھانے کی ہیں تو بچے سے پوچھیں آپ

کیا کھانا پسند کرینگے، کئی کپڑے ہیں بچے سے پوچھیں، کہ آپ کیا پہننا پسند کرینگے، اس سے بچے میں خوداعتمادی آتی ہے اور فیصلہ کرنے کی قوت اسکے اندر آتی ہے اور اس کے اندر سمجھداری آتی ہے۔ گاڑی میں بیٹھنا ہے تو کس سیٹ پہ بیٹھنا آپ پسند کرینگے، اچھا کھیلنا ہے تو کس کھیل کو آپ پسند کرینگے تو ان چیزوں میں آپ فیصلے کا موقعہ آپ بچے کو شروع سے دیں، تو اسکے اندر اس سے فیصلہ کرنے کی استعداد مضبوط ہو جاتی ہے۔

دوسری بات کہ اگر کسی موقعے پر کوئی بچہ کام پر راضی نہیں تو اصرار نہ کریں، غصہ نہ کریں، ڈانٹ ڈپٹ نہ کریں، آپ یہ سوچیں کہ اس کا دماغ اس کو اس وقت سگنل نہیں دے رہا ہے جتنا میں اس بچے کو ڈانٹ ڈپٹ کروں گی، وہ برا اثر لے گا، اچھا نہیں لے گا، تو اس وقت صبر کر جایا کریں ہاں ٹھنڈا سانس لے لیا کریں، اور پھر اچھے وقت کا انتظار کیا کریں، دوسرے وقت میں اس کو وہ کام کہہ دیا کریں۔

تیسرا یہ ہے کہ بچے سے جب کوئی کام کروانا ہو تو اس کو پہلے نمونہ دکھائیں، یعنی فرض کرو آپ کھانا سیکھا رہی ہیں، بیٹھنا سیکھا رہی ہیں، پہلے کر کے دکھائیں، اور پھر بچے کو کہیں کہ اس طرح آپ نے کرنا ہے، بچہ جب کوئی نمونہ دیکھ لیتا ہے تو اس کو copy کرنا اس کے لئے آسان ہوتا ہے۔ مائیں اس کو بیٹھے بیٹھے ہدایت دے رہی ہوتی ہیں یہ نہ گراؤ، فلاں نہ گراؤ، مگر اس کو عملی طور پر خود کر کے نہیں دکھا رہی ہوتی ہے یہ غلط طریقہ ہے تو اس بچے کو کر کے دکھائیں کہ اس طرح کرنا ہے کہ بچہ اس کو آسانی سے copy کر لے گا۔

چوتھی بات کہ بچے کے جو فلٹرز ہوتے ہیں brain میں وہ شروع میں کام نہیں کر رہے ہوتے ہیں، تو جو سگنل آ رہا ہوتا ہے وہ memory میں save (یادداشت میں محفوظ) ہو رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا سائنسدانوں نے ریسرچ کر کے یہ دیکھا کہ دو سال سے پہلے بچے کو کوئی اسکرین نہیں استعمال کرنے دینی ہے چاہے ٹی۔وی کی اسکرین ہو، چاہے کمپیوٹر کی ہو، چاہے i-pad کی ہو اگر دو سال کی عمر سے پہلے بچہ کرے گا، اس اسکرین کو use، تو جو اسکرین کے کارٹون ہیں وہ ان کو ہی اصل زندگی سمجھنا شروع کر دے گا۔ چنانچہ اس بچے کی personality (شخصیت) میں ہمیشہ کے لئے وہ عادت آ جاتی ہے تو دو سال سے پہلے اسکرین ٹائم کو زیرو کر دیں جب اس کے ذہن میں ہی شروع سے آپ نے یہ چیزیں ڈال دیں کہ اس نے لڑتے جھگڑتے دیکھا تو لڑائی جھگڑا بچے کے ذہن میں ہمیشہ کے لئے print (نقش

)ہوجاتا ہے، پھر کیوں کہتی ہیں بڑے ہوکے کہ ہمارا بچہ تو جھگڑتا ہے دوسروں سے، جھگڑالو ہے، ضدی ہے، بات نہیں مانتا تو اس بات کا بڑا خیال رکھیں!

پانچواں پوائنٹ یہ ہے کہ بچہ اگر کوئی کام مرضی کے مطابق کرے تو اس کی آپ پھر تعریف وتحسین بھی کریں۔ بچے کو پیار کرنا بھی تعریف کا ایک طریقہ ہے اور بچے کو گلے سے لگالینا بھی ایک تعریف ہے عام طور پر دیکھا کہ مائیں اکثر باتوں پہ نا، نا کرتی رہتی ہے اگر ہم ہر دن کی list بنائیں کہ ماں نے بچے کو کتنی باتوں پہ no کیا تو شاید سو سے زیادہ مرتبہ ہم no کردیتے ہیں۔

سائنسدانوں نے ریسرچ کی کہ ماں جب کسی کام پر ایک مرتبہ no کہتی ہے تو اس کو تین مرتبہ yes (ہاں) سے تلافی کرنا چاہئے ورنہ بچہ کو no کی وجہ سے ایک طرح کی بیماری اس کے اندر آجائے گی۔ تو یہ ذہن میں رکھیں کہ اگر آپ نے بچے کو کسی بھی کام پہ ایک دفعہ no کیا، اب کم از کم تین مرتبہ اس کو yes کریں، تو وہ بیلینس پرسنالیٹی بنے گا، پھر بچے کو آپ اگلے دن کے بارے میں جو بڑا کام کوئی کرنا ہو، سفر پہ جانا، ملنا، مہمانوں کا آنا، وہ ضرور بتائیں بچہ اگر چہ چھوٹا ہوتا ہے مگر اس کو اگلے دن کے بارے میں بتادیا جائے تو ذہنی طور پر تیار ہوتا ہے۔ ہم لوگ پہلے بتاتے کچھ نہیں جب اچانک مہمان آجاتے ہیں، تو بچہ ری ایکٹ کرتا ہے پھر ہم کہتے ہیں یہ ضدی ہے، بات نہیں مانتا، یہ شور مچاتا ہے، اس کا قصور نہیں ہوتا، ہمارا قصور ہوتا ہے۔

پھر ساتویں بات کہ بچہ صرف ماں سے نہیں سیکھتا گھر کے باقی افراد سے بھی سیکھتا ہے تو کوشش کریں کہ کھانا سب مِل کر دسترخوان پر اکٹھے کھائیں، وہ بچہ باپ سے بھی سیکھے گا، ماں سے بھی سیکھے گا، بہن سے بھی، بھائی سے بھی، آنٹی سے بھی، جو دسترخوان پر ہوں گے، سب سے سیکھے گا تو یہ بچہ کی ایک غیر رسمی تعلیم ہوتی ہے، چنانچہ اس کا بچہ کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔

آٹھویں چیز کہ گھر کو اس طرح سے رکھیں کہ بچے کے لئے نت نئے تجربے کرنا اور کھیلنا کودنا اور play کرنا اس کی آزادی ہو جو چیزیں ٹوٹنے والی ہیں ان کو پہلے سمیٹ دیں، کہاں لکھا ہے کہ ان کو ایسی جگہ رکھنا ہے جو بچہ کی پہنچ میں جائے بچہ کا مزاج ہے اس کے ہاتھ میں جو چیز آئے گی، وہ اس کو پہلے منھ میں ڈال کے دیکھے گا ٹیسٹ کیسا ہے، پھر اس کے بعد ہاتھوں سے پکڑے گا کہ یہ نرم ہے یا سخت ہے پھر اس کو زمین پہ پھینک کے مارے گا کہ اسکی آواز کیسی ہے، اس کو کیا پتہ کہ یہ شیشے کی بنی ہوئی ہے اب ہم کہتے ہیں جی اس نے

گلاس توڑ دیا بھئی اس نے تو جاننا تھا آواز کیسی ہے، تو جو ٹوٹنے والی خراب ہونے والی ڈیکوریشن پیسیز ہے ان کو شروع سے ہی بچے کی پہنچ سے باہر رکھیں ایسی بات نہیں کہ بچہ کچھ کرنے لگے، تب آپ چیخنے لگیں ہاتھ مت لگاؤ، ادھر مت جاؤ، یہ جو آپ کہتی ہیں مت کرو، مت کرو، یہ no ہے ہر no کا بچے کے برین پہ اُلٹا اثر ہوتا ہے لہٰذا no کہنے کا موقع ہی نہ ملے ایسا ماحول بچے کو دینی چاہئے۔

نویں چیز کہ بچوں کے اندر جو یادداشت ہے نا اس کی وجہ سے جو وہ ماں باپ کو کرتا دیکھتے ہیں وہ وہی بات کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ماں باپ کو چاہئے کہ چھوٹے بچوں کے سامنے بھی کوئی جنسی حرکت نہ کریں اس لئے کہ بچے کے برین میں وہ چیز نقش ہو جاتی ہے ہمارا اپنا ایک تجربہ ہے ایک نوجوان بچی، جو بہت زیادہ بگڑ گئی تھی اور اس نے درجنوں مردوں کو دوست بنایا تھا۔ ایک بیان میں بہت اپنے گناہوں پہ رو دھو کے توبہ کی اور اس نے نیکی کی زندگی start کی ایک مرتبہ فون پہ اس نے بات پوچھی کہ میری زندگی اتنی بری تو میں نے سوال پوچھا کہ اتنی چھوٹی عمر میں آپ کیسے اِن حرکتوں میں پڑ گئیں؟ تو اس نے وجہ بتائی۔ کہ جب میں بہت چھوٹی تھی، تو میں نے ایک بار ماں باپ کو ایسی حالت میں دیکھا تھا، وہ منظر میرے ذہن میں اس طرح پرنٹ ہو گیا کہ چوبیس گھنٹے مجھے اسی کا خیال رہتا تھا اور میرا دل چاہتا تھا کہ میں بھی یہی کروں چنانچہ چھوٹی عمر سے میں نے لڑکوں کے ساتھ وہی کچھ کرنا شروع کر دیا۔ ؎

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

ماں باپ خود احتیاط نہیں کرتے اور نہیں سمجھتے کہ بچے کا برین کیا کیا سگنل اختیار کر رہا ہوتا ہے۔ آپ نماز پڑھیں، تلاوت کریں، اللہ کا ذکر کریں، جو بچہ آپ کو دیکھے گا خود بخود فوراً اس کو copy کرے گا اور اگر وہ دیکھ رہا ہے کہ آپ کی فجر ہی قضا ہو رہی ہے، لیٹ ہو رہی ہے، یا آپ جھوٹ بولتی ہیں یا آپ بہانہ بناتی ہیں تو بچہ بھی وہی کرے گا تو بچہ models (نمونوں) کو دیکھ کے اس کو copy (نقل) کرتا ہے۔ اب آخری بات کہ بچہ کی اپنی ایک سوچ ہوتی ہے آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتیں تو بچہ کے ساتھ ہمیشہ پیار محبت سے معاملہ کریں، چنانچہ ایک آدمی کی بیوی فوت ہو گئی اور اس کے بیٹے کی عمر کوئی تین سال کے قریب تھی، اس باپ نے دوسری شادی کر لی تو بچے نے اس mom کو بھی قبول کر لیا وہ دوسرے کے ساتھ محبت پیار سے رہنے لگا ایک دن باپ نے پوچھا بیٹا بتاؤ تمہاری پہلی ماما اچھی تھی، یا دوسری ماما بچے نے کہا کہ میری پہلی ماما جھوٹی تھی دوسری ماما سچی ہے۔ تو وہ بڑا حیران ہوا کہ بچہ کیوں کہہ رہا ہے کہ پہلی ماما جھوٹی تھی اور دوسری ماما سچی ہے تو اس کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ پہلی ماما میری کسی بات پہ ناراض ہوتی تھی تو کہتی تھی میں تجھے کھانا

نہیں دوں گی اگر تم نے یہ نہ کیا، تو میں بات نہیں مانتا تھوڑی دیر کے بعد ماما کھانا بھی بناتی تھی پھر میرے پیچھے آتی تھی، میری منت کرتی تھی، مجھے منت کر کے کھلاتی تھی، میں نہیں کھاتا تھا، میں تنگ کرتا تھا مگر ماما میری منتیں کرتی تھی وہ میری ماما جھوٹی تھی، کہتی تھی کھانا نہیں دوں گی، مگر کھانا لیکر میرے پیچھے پیچھے پھرتی تھی اور میری دوسری ماما وہ سچی ہے، دو دن پہلے اس نے کہا تھا کہ تم نے یہ نہیں کیا تو کھانا نہیں دوں گی، ابو آج دوسرا دن ہو گیا بھوکا ہوں تو جو ماں کی محبت ہوتی ہے بچے کے لئے وہ دوسری عورت کے دل میں نہیں ہو سکتی۔ یہ ماں کی مامتا عجیب ہے اللہ اکبر۔ اللہ رب العزت اس محبت کو اس لئے بڑھاتے ہیں کہ پھر ماں چوبیس گھنٹے کے لئے اس کی خادمہ بن جاتی ہے۔

ماں کی مامتا، وہ ہمالیہ پہاڑ ہے جس کی بلندیوں کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔ ماں کی مامتا، وہ گہرا سمندر ہے جس کی گہرائی کی کوئی پیائش نہیں کر سکتا۔ ماں کی مامتا وہ سدا بہار گلشن ہے، جس کے پھول کبھی نہیں مرجھاتے۔ یہی محبت بچے کے کام آتی ہے اور وہ بچہ بڑا ہوتا ہے۔ شریعت نے اس محبت کے بدلے ماں کو یہ کہا کہ اگر تم بچے کی اچھی تربیت کروگی اور وہ ایمان والا بنے گا، پوری زندگی میں جتنے سانس لے گا، ماں کو ہر سانس کے اوپر ایک نیکی عطا کی جائے گی۔ اللہ رب العزت اس فریضہ کو اچھی طرح پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محترم قارئین !

صفحہ ۱۷ تا صفحہ ۲۷ پر ریحانۃ العصر **حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی** دامت برکاتہم کا جو بیان بعنوان ''ماں کی گود'' سے شائع کیا گیا ہے، یہ بیان حضرت والا دامت برکاتہم کی ہی آواز میں CD میں بھی دستیاب ہے۔ ''CD-30'' خصوصی طور سے بچوں کی ہر پہلو سے نشونماء کے سلسلے کے بیانات کی مستقل سریز پر ہی مشتمل ہے۔ آپ اِسے نعمانی اکیدمی سے حاصل کر سکتے ہیں یا گھر بیٹھے منگوا سکتے ہیں۔

ملنے کے پتے:

خانقاہ نعمانیہ: ممداپور، نیرل (ماتھے ران والا) تعلقہ کرجت، ضلع رائے گڑھ۔ (دستی حاصل کرنے کے لئے)

نعمانی اکیڈمی، ۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ، 226018۔ فون 9369026355_0522-4079758

E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

مولانا یحییٰ نعمانی

مذاہب اربعہ اور ان کی تقلید

(دوسری اور آخری قسط)

ایک عام سادہ آدمی کے ذہن میں سوال آتا ہے کہ یہ چار مذاہب کیسے بنے؟ اسلامی فقہ کی تاریخ سے ناواقف لوگ یا عوام کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھانے والے نام نہاد مسلکی داعی ایک عجیب جاہلانہ شبہہ پیدا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب رسول ایک تو چار مذہب کہاں سے آ گئے؟ کوئی کہتا ہے کہ مسلمانوں کا تو بس ایک ہی امام ہے: محمد رسول اللہ۔

یقیناً مسلمانوں کے اصل امام اکبر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ ان کی امامت کے سامنے کس کا چراغ جل سکتا ہے؟ سب ان کے پیچھے چل کر ہی ہدایت پا سکتے ہیں۔ ان کے آنے سے پچھلے نبیوں کی کتابیں منسوخ ہو گئیں، نبوتیں منسوخ ہو گئیں، اور اعلان کر دیا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر نبی بھی اگر زندہ ہوتا تو محمد رسول اللہ کی نبوت کے سائے ہی میں زندگی گزارتا اور شریعت محمدی ہی پر عمل کرتا۔ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں اور ان کے ذریعے ایک طرف پچھلی کتابیں اور شریعتیں منسوخ کر دی گئیں اور اسی شریعت پر عمل کو قیامت تک کے انسانوں کی نجات کی شرط قرار دیا گیا، تو دوسری طرف آپ ﷺ کے دین کی حفاظت کا ایک خاص انتظام بھی کیا گیا۔ وہ انتظام یہ تھا کہ کتاب وسنت کے ساتھ ان کا فہم اور تشریح بھی صحابۂ کرام اور ائمۂ دین کے ذریعہ محفوظ کرا دی گئی۔ دین وشریعت کی حفاظت کے اس انتظام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے متعدد حدیثوں میں خبر دی ہے۔ فقہی اختلافی مسائل میں جن ائمہ کی اتباع کی جاتی ہے وہ بھی ایسے ہی امام ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امت کی تاریخ میں ایسے لائق اقتدا ائمہ کی تعداد جن کے علم پر بھروسہ کر کے عام

مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کر سکتے ہیں بلا شبہ ہزار ہا ہزار رہے ہیں۔لیکن ان چار ائمہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص اجتبائیت کا مقام حاصل ہے، اور وہ یہ کہ کروروں مسلمان ان کے علم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اس کے مطابق شریعتِ محمدی کی اتباع کر رہے ہیں۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنوں کی نماز روزے اور دیگر دینی اعمال میں ان ائمہ کا کتنا حصہ ہے۔اس خصوصیت میں ائمۂ اربعہ کا کوئی شریک نہیں۔

امت میں یہ چار مذہب کیسے وجود میں آئے اس کی تاریخ پر بہت اختصار سے کچھ روشنی ڈالی جارہی ہے۔رسول اللہؐ کے انتقال کے بعد جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مدینہ سے دور دراز علاقوں میں اسلام پھیلا، تو علماء وفقہاء، صحابہ، دین اور علم کی نشر واشاعت کے لئے دور دراز شہروں میں بھیجے گئے۔جن مسائل میں آج مسلکی اختلاف ہے عموماً ان میں ان صحابہ کی بھی الگ الگ رائیں تھیں۔یہ صحابہ وہاں گئے تو انہوں نے اپنے مسلک کے مطابق وہاں کے لوگوں کو تعلیم دی اور احادیث کی اپنے نقطۂ نظر (Point of View) کے مطابق تشریح کی۔آدمی اپنے بڑوں کی سوچ سے متأثر ہوتا ہے۔نتیجہ یہ ہوا کہ اس علاقے کے اکثر علماء کا طرز فکر اپنے علاقے کے صحابہ سے متاثر ہوا۔اور پہلی صدی ہجری سے ہی الگ الگ علاقوں کے الگ الگ فقہی مسلک بن گئے، مثلاً مدینے کا مسلک، کوفے کا مسلک، مکہ کا مسلک اور شام کا مسلک۔یہ گویا امت میں الگ الگ فقہی مسالک اور مکاتب فکر کا آغاز تھا۔

صحابہ کے دور میں متعین مذہب کی تقلید:

بہر حال یہاں یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ الگ الگ علاقوں کے الگ الگ فقہی مذاہب پہلی صدی ہجری میں ہی قائم ہو گئے تھے۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تقلید پر اپنے رسالے عقد الجید میں لکھا ہے کہ صحابۂ کرام کے دور میں ہی اس مثبت اور حکیمانہ رویہ کی بھی بنیاد پڑ گئی تھی کہ ہر علاقے کے لوگ اپنے علاقے کے کسی ایک عالم یا اپنے علاقے کے رائج مسلک کی ہی تقلید کریں۔

فقہاء کے اقوال اور سلف کے فقہی ورثہ پر جس طالب علم کی تھوڑی سی بھی نظر ہوگی، وہ اس کی تصدیق کرے گا۔مثلاً بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مدینہ کے عالم صحابی حضرت زید بن ثابتؓ کے آراء الگ الگ تھیں۔اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے وہ مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب دیا۔اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حوالہ کے طور پر حدیث کی دلیل بھی دی۔مگر اہل مدینہ نے کہا:

لا ناخذ بقولک و ندع قول زید (صحیح بخاری، ۱۷۵۸)

ہم زید بن ثابت کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے۔

اس لیے کہ اہل مدینہ یہ سمجھتے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے امام اور عالم حضرت زید بن ثابت اس سے بھی طاقتور کوئی دلیل رکھتے ہوں یا ان کے نزدیک اس حدیث کا مطلب کچھ اور ہو۔ اس لیے انہوں نے حدیث کا حوالہ ملنے کے باوجود اپنے عالم حضرت زید بن ثابت سے رابطہ کرنا اور سوال کرنا ضروری سمجھا۔ اس لیے کہ ان جزئی فقہی مسئلوں میں حدیثوں میں اختلاف بھی بکثرت ہوتا ہے اور ان کے سمجھنے میں اختلاف بھی علماء میں ہوتا آیا ہے۔ آخر کار اہل مدینہ نے حضرت زید بن ثابت سے بات کی اور روایت کی تحقیق کی اور پھر جب تحقیق کی رو سے حضرت عبداللہ بن عباس کی بات صحیح ثابت ہوئی تو حضرت زید بن ثابت اور اہل مدینہ نے اپنی رائے سے رجوع کیا۔

اہل مدینہ کے اس جواب ''ہم زید بن ثابت کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے'' سے پتہ چلتا ہے کہ مدینے والوں نے اپنے بارے میں یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ حضرت زید بن ثابت کی ہی تقلید کریں گے۔ اس سے اور ان جیسے ان بے شمار واقعات سے جو حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ الگ الگ فقہی مسلک اور ان کی تقلید کا اہتمام صحابۂ کرام کے دور سے ثابت ہے۔ کوئی عالم اپنی امانت کا خون کیے بغیر اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ ہم کیسے اپیل کریں کہ خدارا عوام کو ذہنی انتشار اور اختلاف میں مبتلا کرنے کے لیے یہ دھوکہ مت دیجیے کہ الگ الگ فقہی مسلک کی تقلید تو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اس دور کے بعد کی پیداوار ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا کہ دین کے اعتبار سے وہ نمونے کا اور مثالی قابل اتباع دور ہوگا۔ (یہاں یہ بات ہم آپ کو یاد دلانا چاہیں گے کہ ہم جس اختلاف کی بات کررہے ہیں اور جس کے بارے میں بتارہے ہیں کہ امت کے تمام قابل ذکر علماء جس کو باقی رکھنا چاہتے ہیں اور کوئی دوسرے کو اپنے مسلک کی اتباع کرنے کو نہیں کہتا ہے یہ وہ فقہی اختلاف ہے اور کا سبب یہ ہے کہ خود قرآن وسنت نے اس اختلاف کی گنجائش چھوڑی ہے، اور اس کا دائرہ صرف سلف اور ائمہ کے فقہی اختلاف کے اندر ہے، باقی وہ مسائل جن میں قرآن وحدیث کی واضح عبارتیں موجود ہیں اور ان کے خلاف حدیثیں نہیں ہیں ان میں اختلاف کی ہم کوئی گنجائش نہیں سمجھتے)۔

بہرحال الگ الگ علماء اور ائمہ کی رائیں اور ان کا یہ اختلاف جاری رہا، اور صحابۂ کرام، تابعین اور

ان کے بعد اہل سنت کے تمام ائمہ اس مسلکی اختلاف اور ان کی تقلید واتباع کو تسلیم کرتے رہے [1] اس طرح الگ الگ علاقوں کے علماء کی ان کے عوام اتباع کرتے رہے یہاں تک کہ زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ صورت حال یہ ہوگئی کہ ہر علاقے کا الگ مسلک بن چکا تھا۔ یہ صورت حال پہلی صدی ہجری ہی میں ہوچکی تھی امام حدیث حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے اس کو دیکھا اور اس طرح تسلیم کیا کہ جب وہ مدینے کے گورنر تھے اہل مدینہ کے مسلک کے مطابق فیصلہ کرتے تھے، مگر جب وہ شام گئے تو انہوں نے وہاں کے مسلک کے مطابق فیصلے کیے۔

تاریخ کی کتابوں میں امام مالک کا واقعہ بھی لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ منصور یا ہارون نے ان سے درخواست کی کہ حکومت ان کی کتابوں کو پورے عالم اسلام میں پھیلا دے اور لوگوں کو اپنے مسلکوں کو چھوڑ کر اسی پر عمل کرنے کو کہے، مگر امام مالک نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اور کہا کہ نہیں لوگوں تک مختلف فقہی آراء اور مسالک پہنچ چکے ہیں۔ ہر ایک کے پاس اپنی اپنی احادیث ہیں۔ **فدع الناس و ما اختار اهل كل بلد لانفسهم** (ہر علاقے کے لوگوں کو اپنے مسلک پر چھوڑ دو۔)

امام مالک کے جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں الگ الگ علاقوں کے مسالک کی تشکیل ہوچکی تھی۔ اور عوام ان پر چلتے تھے۔ اور یہ بات علماء ہی نہیں طلبہ کی سطح کے لوگوں کو بھی واضح طور پر معلوم ہے کہ ابتدائی زمانے ہی میں الگ الگ علاقوں کے الگ الگ مسالک بن گئے تھے۔ امام مالک اور عباسی خلیفہ کے قصہ میں امام مالک کا ایک جملہ یہ بھی نقل کیا گیا ہے:

أما هذا الصقع يعنى المغرب فقد كفيته و اما الشام ففيه الاوزاعى و اما العراق فهم اهل العراق۔ (ترتیب المدارک، ۱/۶۰)

جہاں تک اس علاقے مغرب یعنی مراکش واندلس وغیرہ کا تعلق ہے وہاں میرا مسلک پھیل چکا ہے، شام میں امام اوزاعی ہیں، اور لوگ ان کے مسلک پر چلتے ہیں۔ اور اہل عراق تو اہل عراق ہیں۔

امام مالک کے اس جواب سے پتہ چلتا ہے کہ امام مالک کے زمانے سے ہی علاقوں میں مسالک

---

[1] ہم نے اپنی کتاب ''تقلید اور مسلکی اختلاف کی حقیقت'' میں اس کے تفصیلی ثبوت جمع کئے ہیں۔ سلفی کہلانے والے بھائیوں کے لئے خاص طور پر ہم نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی عبارت بھی ذکر کی ہے، جس کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ ائمۂ اسلام کے مسالک کی اتباع سے عوام کو روکنے والے امت کے سلف اور اہل خیر کی راہ سے ہٹ گئے ہیں، اور اسی لئے ایک فتنہ بن چکے ہیں۔)

قائم ہو چکے تھے، شام میں امام اوزاعی کی تقلید ہوتی تھی، اندلس اور مراکش میں امام مالک کا مسلک رائج تھا اور عراق والوں کا بھی ایک مسلک تھا۔ اور تمام علماء اور ائمہ اس پر متفق تھے کہ ہر علاقے کو اپنے علماء کے فقہی مسالک پر باقی رہنے دیا جائے۔

سنن دارمی میں بسند صحیح روایت ہے کہ حمید الطویل نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے یہ خیال رکھا کہ لوگوں میں یہ جو فقہی اختلاف چلا آرہا ہے اس کو ختم کر کے ان کو کسی بنیاد پر متحد اور جمع کر دیا جائے۔ بظاہر کتنا پاکیزہ خیال ہے کہ امت متحد ہو جائے!! مگر ائمہ جانتے تھے کہ یہ ظاہری طور پر اچھی نظر آنے والی بات اللہ کی اسکیم اور اس کی رحمت کے خلاف ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ لوگوں میں (ان فقہی مسائل میں) اختلاف نہ ہوتا'' پھر انہوں نے ہر علاقے کے لئے یہ فرمان جاری کیا کہ:

لیقض کل قوم بما اجتمع علیہ فقھاؤ ھم

ہر علاقے کے لوگ اپنے علاقے کے فقہاء کی رائے کے مطابق فیصلہ کریں۔

آپ نے یہاں تک جو کچھ پڑھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام کے دور سے ہی الگ الگ مسلک بننے لگے تھے اور صحابہ و تابعین اور ائمہ اسلام اس پر متفق تھے ہر علاقے کے لوگ عموماً اپنے علماء ہی کے مسلک کی اتباع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ علماء اور مجتہدین کو بھی اس کا خیال تھا کہ عوام کو ذہنی الجھن اور انتشار میں مبتلا نہ کرنے کے مقصد سے (اگر مسئلہ قطعی طور پر غلط نہ ہو اور دونوں رایوں کی گنجائش ہو تو) اپنے علاقے کے علماء کے مسلک کے خلاف رائے نہ اختیار کی جائے۔ گویا اس دور میں بھی متعین مذاہب کی تقلید عوام کے لئے ایک معروف چیز تھی۔

علاقوں کے مذاہب کی تقلید کا یہی رویہ جاری تھا کہ ائمہ نے مثلاً امام ابوحنیفہ، ان کے شاگردوں اور امام مالک اور ان کے شاگردوں نے اپنے اپنے علاقوں کے مسالک کتابوں کی شکل میں لکھ کر فقہی تدوین کا کام انجام دیا۔ امام محمد نے اہل کوفہ کے نمائندہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کی فقہ مدون و مرتب کی۔ اہل مدینہ کی فقہ امام مالک کے شاگردوں نے مرتب کی۔ پھر امام شافعی کا زمانہ آیا۔ وہ اصلاً فقہ حجازی (مدینہ و مکہ) کے نمائندے اور امام مالک کے شاگرد تھے۔ لیکن ایک بڑے امام ہونے کی وجہ سے ان کو امام مالک کی بعض مسائل کے مقابلے میں اپنے فقہی اسکول کے دیگر صحابہ اور تابعین کی رائیں زیادہ بہتر معلوم ہوئیں

انہوں نے ان کو لے لیا یہ فقہ شافعی بنی۔ اسی فقہ شافعی کے سلسلے کے ایک بڑے عالم امام احمد ابن حنبل تھے، انہوں نے امام شافعی کے مسائل میں سے کچھ سے اختلاف کیا ان کا اور ان کے شاگردوں کا ایک الگ مسلک بن گیا۔

اسی طرح الگ الگ علاقوں میں الگ الگ ائمہ کا مذہب رائج ہونے لگا، مثلاً مصر میں وہاں کے امام لیث بن سعدؒ کا اور شام میں امام اوزاعیؒ کا اور کہیں امام طبریؒ کا۔

شروع میں صرف چار مذاہب کی تقلید نہیں ہوتی تھی، لیکن دھیرے دھیرے دیگر مذاہب ختم ہوتے چلے گئے۔ اور بغیر کسی کی پلاننگ کے ہوا یہ کہ امت میں ان چار اماموں اور ان کے شاگردوں کا مسلک پھیل گیا۔ ان مسلکوں کے علماء ہر دور میں اختلافی فقہی مسائل پر اپنے دلائل لکھتے رہے اور بیان کرتے رہے۔ علم کی مجلسیں مباحثوں سے گرم رہیں، ہر ایک نے دوسرے کے دلائل پر غور کیا، اور اگر کہیں لگا کہ اپنا مسلک کسی غلط فہمی پر مبنی تھا تو اس کو چھوڑ بھی دیا گیا۔ اگر چہ اس کی ضرورت کم ہی پڑی اس لیے کہ جو اختلاف تھا اس کی بنیاد کم علمی یا غلط فہمی نہیں تھی بلکہ یہ سیکڑوں ائمہ کا مسلک تھا، اور اختلاف اس لیے ہوا تھا کہ قرآن وحدیث میں بھی اختلاف تھا یا اس کی گنجائش چھوڑی گئی تھی کہ الگ الگ طرز فکر کے لوگ الگ الگ رائے قائم کریں۔

اس طرح اب صدیوں سے امت میں یہی چار مذہب رائج ہیں۔

چار ہی کیوں؟ زیادہ کیوں نہیں؟

اب اگر کسی کے دل میں یہ سوال آتا ہے کہ یہ چار ہی مذہب کیوں؟ زیادہ کیوں نہیں؟ تو اس کا ہمارے پاس بس یہ جواب ہے کہ اس میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں، اللہ کا فیصلہ یہی تھا کہ امت میں یہی چار فقہی مذاہب تفصیلی طور پر تیار ہوئے اور پھر محفوظ رہے۔ اگر کوئی پانچواں اور چھٹا مذہب بھی موجود ہوتا تو علماء ان کو بھی قبول کرتے، مگر دیگر ائمہ کے کچھ مسائل اور اجتہادات تو ہم تک پہونچے ہیں مگر ایک مکمل مربوط اور منظم فقہی نظام کی حیثیت رکھنے والا مسلک جس کی باقاعدہ تدوین اور خدمت ہوئی ہو اور ہزاروں علماء نے اس کو جانچا پرکھا ہو کوئی اور بچا نہیں۔

تقلید مذاہب نہ کہ تقلید شخصی:

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ جو مذاہب ہیں یہ کسی ایک امام کے فتاویٰ اور اجتہادات نہیں ہیں، بلکہ یہ اس علاقے کے بے شمار ائمہ کا اجتہاد ہے۔ جس کی نسبت اس کے ایک اہم امام مثلاً ابوحنیفہ،

مالک، اوزاعی، اورلیث بن سعد وغیرہ کی طرف کی جانے لگی۔ پھر ان ائمہ پر ہی بات نہیں رکی ان کے بعد ان کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے تحقیق وجستجو کا عمل جاری رکھا۔ اور صدیوں علماء وفقہاء کی ہزاروں کی تعداد کو ان مسائل پر اطمینان رہا، اگر کچھ مسائل میں اطمینان نہیں ہوسکا تو ایسا بکثرت ہوا ہے کہ مسلک کا فتویٰ تبدیل کیا گیا۔ مثلاً بسا اوقات حنفی مسلک کا فتویٰ امام ابوحنیفہ کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔

لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ کسی مسلک کی اتباع کرنے والا کسی ایک شخص کی تقلید نہیں کرتا، بلکہ ایک مکتب فکر اور ایک مذہب کی تقلید کرتا ہے، جس کے پیچھے صحابۂ کرام سے لے کر آج تک بے شمار ائمہ دین اور فقہاء و علماء اسلام کی تعداد موجود ہے۔ چونکہ مسلک کا نام اس کے کسی ایک امام کے نام پر حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی پڑ گیا ہے، اس لئے علماء اس کو تقلید شخصی کا نام دے دیتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید دراصل تقلید مذاہب ہے۔ کسی ایک شخص کی تقلید نہیں۔

مذاہب کی پابندی کی ایک اہم ترین وجہ:

اب تک کی گفتگو سے یہ واضح ہوا کہ تقلید اور ان چار مذاہب کی تقلید بلا کسی شائبہ کے جائز ہے، امت کے تمام اہل حق علماء اس کے قائل رہے ہیں۔ اب ایک اور بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے، جس سے ہمارے لیے یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ علماء نے مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کو کیوں ضروری قرار دیا۔ تقریباً سارے ہی مذاہب کے محقق علماء مثلاً امام نووی، ابن الہمام، ابن عابدین وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اصلاً تو ایک عام آدمی کے لئے مطلق تقلید ہی ضروری ہے۔ یعنی ہر شرعی مسئلے میں کسی بھی معتبر مجتہد کی رائے پر عمل کر لینا کافی ہے کسی خاص مسلک کی پابندی ضروری نہیں۔

لیکن زمانہ نبوت سے دوری کے ساتھ ساتھ امت میں دیانت وامانت کا عمومی زوال بڑھتا رہا، اور لوگوں نے شریعت کو اس طرح کھلواڑ بنانا شروع کیا کہ اپنے مسلک میں جو چیز حرام ہے اس کو کرنے کے لئے ڈھونڈھنا شروع کیا کہ وہ کس مسلک میں حلال ہے۔ پھر اس کو اس بہانے پر کر لیا کہ ہم اس مسئلہ میں فلاں مسلک کے مقلد ہو گئے، مثلاً کسی حنفی عورت کے پاس زیور ہیں، زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اس کو شیطان یہ پٹی پڑھائے گا کہ وہ اس مسئلہ میں شافعی مسلک کی اتباع کر لے جس کا فتویٰ یہ ہے کہ زیور پر زکاۃ فرض نہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سارے مسائل ہیں۔ اب اگر اس کی اجازت دے دی گئی تو دین بالکل کھلواڑ بن جائے گا۔

خواہش پرستی ایک خطرناک فتنہ ہے، اس سے دین کو بچانے کے لئے علماء کو یہ حکم دینا پڑا کہ لوگوں کو کسی ایک مسلک کی ہی پابندی کرنی چاہئے۔ اور اپنی خواہش سے مسلک بدلتے نہیں رہنا چاہئے۔ ہم پھر کسی اور کے بجائے سلفی برادران کے ایک پسندیدہ عالم کا حوالہ دیں گے۔ علامہ ابن القیم کہتے ہیں کہ:

دین میں خواہش پرستی اور اپنے فائدہ کو دیکھ کر عمل کرنا یا فتویٰ دینا کہ آدمی اس مذہب پر عمل کرے جس سے مطلب پورا ہو یا اپنے کسی قریبی آدمی کو سہولت ملے..... یہ سب سے بڑا فسق اور سب سے بڑا گناہ ہے۔ (اعلام الموقعین ۴/ ۲۳۱)

جب مسلمانوں کے دین کا معیار بہت گر گیا تو علماء کو کہنا پڑا کہ کسی ایک متعین مذہب کی پابندی ضروری ہے۔ گراوٹ کہاں تک پہونچ چکی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ امام شاطبی نے الموافقات (۴/ ۱۳۴-۱۳۵) میں لکھا ہے کہ اس خواہش پرستی نے مفتیوں کو بھی شکار کر رکھا تھا۔ اپنے مسلک میں جہاں مسئلہ سخت ہوتا اور پوچھنے والا کوئی اپنا قریبی ہوتا یا امیر کبیر تو اس کو دوسرے مسلک کی رخصت کا حکم دے دیتے تھے۔ امام شاطبی نے اس کو حرام کہا ہے، بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ عدالتوں میں ظالم قاضیوں نے بھی یہی گورکھ دھندا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس صورت حال نے علماء کو مجبور کیا کہ وہ کسی ایک مذہب کی تقلید کو ضروری قرار دیں۔

اب تو ایمان اور تقوے کا معیار اور بھی گر چکا ہے لہٰذا خواہش پرستی اور دینی انحطاط کے اس زمانے میں ایسے احتیاطی اقدامات کی ضرورت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

البتہ کوئی متقی عالم متبحر دلائل کی بنیاد پر دوسرے مسلک کی کسی رائے کو راجح سمجھے تو اس کو اس پر عمل کی اجازت ہوگی جیسا کہ ہم آگے ذکر کریں گے۔ یا اگر کسی علاقے یا معاشرے کے اہل تقویٰ علماء مل کر مشورے سے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر کوئی ایسا فتویٰ دیں جو سلف کے مذاہب سے باہر نہ ہو اور کتاب وسنت میں اس کی گنجائش ہو تو ایسی صورت میں اپنے مذہب کے خلاف ان کی بات مانی جائے گی، بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ پھر وہی مذہب قرار پائے گا۔ اور ایسا بکثرت ہوا ہے: مثلاً حنفی مذہب میں بعد میں علماء کے غور وفکر کے بعد مذہب بدل گیا۔ اور بعد کے لوگوں نے پرانی رائے کے بجائے نئی رائے پر ہی فتویٰ دیا۔

اگر اپنے مسلک کے خلاف کوئی حدیث ملے؟

تقلید کے بارے میں جو سب سے بڑا اشکال پیش آتا ہے وہ یہی ہے کہ ایک مقلد کو اگر اپنے مسلک

کے خلاف کوئی حدیث ملے تو اس کے لیے اپنے مسلک کی اتباع پر قائم رہنے کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے؟

اگر ذرا گہرائی سے مسئلے پر غور کیا جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس لیے کہ تقلید ایسے مسائل میں کی ہی نہیں جاتی جن میں یقینی طور پر صرف ایک ہی رائے برحق ہے، باقی سب باطل، ناحق اور غلط۔ بلکہ جن مسائل میں ائمہ نے قرآن وسنت کے دلائل میں غور کیا اور ان کو دلائل ہی میں تعارض نظر آیا، یعنی کچھ دلائل سے ایک مسلک کی تائید ہوتی تھی اور دوسرے کچھ دلائل دوسرے مسلک کے حق میں تھے، ایسے مسائل میں وہ کم علم شخص جو خود کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا کسی ایک امام یا مسلک کی اتباع کر لیتا ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب کوئی مقلد اپنے مسلک کے خلاف کوئی دلیل دیکھے اور اس کو معتبر صاحب تقویٰ اور صاحب علم علماء یہ بتائیں کہ ہمارے نزدیک اس حدیث کا وہ مطلب نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں بلکہ ہمارے مسلک کے حق میں دوسرے دلائل موجود ہیں، تو صاف سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ وہ اپنے اُس مسلک کی تقلید کرتا رہے گا جس کے برحق ہونے کی شہادت تمام علماء اہل سنت دیتے رہے ہیں، واضح رہے کہ چاروں مسالک کے علماء نے ہمیشہ یہ شہادت دی ہے کہ چاروں ہی مسلک برحق ہیں۔ اب وہ خود تو مجتہد ہے نہیں نہ ایسا عالم کہ فیصلہ کر سکے کہ کس امام کی بات راجح ہے، اب اگر وہ یہ سمجھنے لگے کہ میں ایک دو کتابیں پڑھ کر یہ فیصلہ کرنے والا بن گیا کہ فلاں امام کی بات صحیح ہے اور فلاں کی غلط تو کیا شبہ کہ یہ نہایت ناسمجھی کی بات ہوگی۔ لہٰذا اگر کسی مقلد کو اپنے مسلک کے خلاف کوئی حدیث ملے تو اس کے کرنے کا کام بس یہی ہے کہ وہ اہل حق علماء سے دریافت کر کے اپنے اطمینان کا سامان کر لے۔ اگر اس مسلک کی بات بالکل ہی دلیل کے خلاف ہوگی تو یقیناً اللہ سے ذرا بھی خوف رکھنے والا عالم اللہ اور اس کے رسول کا حکم مان لے گا، اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اب عموماً چاروں مذاہب میں آپ کو کوئی مسئلہ ایسا شاید ہی ملے جس کے خلاف کوئی ایسی واضح حدیث جو اس مسلک کو قطعی یقینی طور پر غلط ٹھیرا رہی ہو، اگر ایسا ہوتا تو اب سے بہت پہلے اس مسلک کے علما اس مسئلے کو بدل چکے ہوتے۔ اس لیے کہ صدیاں ہوگئیں کہ حدیث کی کتابیں جمع ہو کر عام ہو چکی ہیں، اور ہر مذہب کے علماء اپنے مذہب کی ترجیح کے دلائل اپنی کتابوں میں تفصیل سے لکھتے رہے اور علماء کے درمیان فقہی مباحثے خوب گرم رہے۔ ان صدیوں کے دوران ہر مذہب میں عظیم ائمہ کی ایسی بڑی تعداد رہی ہے جن کے علم، تقویٰ اور اخلاص کے ساتھ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ یقینی طور پر کسی مسئلے کو اللہ اور

اس کے رسول کی منشا کے خلاف سمجھیں اور پھر بھی جان بوجھ کر غلط فتویٰ دیتے رہیں۔

چاروں مذاہب میں اس کی کافی مثالیں ہیں کہ بعد کے علماء نے اپنے امام کو چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کیا ہے۔ ہم بس اس کی ایک مثال دیتے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ ہر مذہب میں دلائل سامنے آنے کے بعد تبدیلی ہوتی رہی ہے۔

وقف کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ کی رائے یہ تھی کہ وقف کرنے سے کوئی چیز مستقل طور پر آدمی کی ملکیت سے نہیں نکلتی وہ اس کے بعد بھی اس میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ مگر امام ابو یوسف جب امام ابوحنیفہ کے انتقال کے بعد مدینے گئے اور وہاں امام مالک سے اختلافی مسائل میں تفصیلی مشورے اور مباحثے ہوئے تو ان میں ایک مسئلہ وقف کا بھی زیر بحث آیا۔ امام مالک نے ان کو مدینہ منورہ میں صحابہ کے اوقاف دکھائے اور اپنے دلائل بتائے، اس وقت امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اگر میرے استاد بھی وہ دیکھتے جو میں نے دیکھا ہے تو ان کی رائے بھی بدل جاتی۔ پھر اس کے بعد حنفی مسلک بدل گیا۔ اور اس میں امام ابو حنیفہ کے قول کو چھوڑ کر وہ فتویٰ دیا جانے لگا جو امام مالک کے قول کے مطابق تھا۔

اس لیے اس کا امکان شاید نہیں ہے کہ ان مسائل میں جو متقدم ائمہ سے چلے آرہے ہیں کوئی بات واضح طور پر غلط ہو۔ نجد کی سلفی دعوت جس کی مخالفت ہمارے اہل حدیث حضرات نہیں کرسکتے اس کے امام شیخ محمد ابن عبدالوہابؒ کے صاحب زادے اور جانشین شیخ محمد کہتے ہیں ''چاروں مسالک میں ایسے مسائل نہایت نادر ہیں، یعنی ملنے مشکل ہیں''۔ (الدرر السنیۃ: ۱/ ۲۲۷)

لیکن اس کے باوجود کوئی امام یا عالم نہیں کہتا کہ اس نے کتاب وسنت پر غور کرنے کے دروازے اپنے لیے بند کرلیے ہیں۔ علماء نے تقلید کی صحت کے لیے یہ شرط لگائی ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے، کہ آدمی کا اس بارے میں ذہن صاف اور نیت درست ہو کہ مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور کتاب وسنت کی پیروی ہے۔ اور ہم جس امام کی اتباع کررہے ہیں وہ کتاب وسنت کا عالم اور شریعت اسلامی کا محض نمائندہ اور ترجمان ہے، نیز یہ کہ ذہن اس کے لئے تیار رہے کہ جب اس بات کا یقین پیدا ہوجائے گا کہ صورت حال اس سے مختلف ہے، اور سنت سے ثابت حکم دوسرا ہے، تو ایک صاحب ایمان کو دوسری شکل کے اختیار کرنے میں کبھی تامل نہیں ہوگا۔ لیکن ایک غیر عالم عام آدمی کے لیے اس کے جاننے کا ذریعہ بس یہی ہے کہ قابل اعتماد علماء کی کثیر تعداد بالاتفاق کہے کہ فلاں رائے حدیث کے خلاف ہے (حجۃ اللہ

باب اسباب التحریف، وباب حکایۃ الناس قبل المائۃ الرابعۃ)۔

البتہ اگر وہ مقلد راسخ العلم عالم ہے، شرعی علوم میں گہری بصیرت رکھتا ہے، اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ جس مذہب کا وہ متبع ہے اس کا قول کسی صحیح حدیث کے خلاف ہے، اور اس کے حق میں کوئی طاقت ور دلیل بھی نہیں ہے تو مقلد ہونے کا قطعاً قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دلیل کی بات نہ مانے اور اپنے مذہب کی تقلید کئے جائے۔ ایسے عالم کے لیے مذاہب اربعہ کے اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کو ترک کر دے گا اور اس حدیث کے مطابق عمل کرے گا، مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کے مطابق کسی امام کا قول موجود ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کو چاروں مذاہب کے علماء کا متفقہ موقف قرار دیا ہے (عقد الجید: صفحہ ۲۴)۔ یہی بات ہمارے بزرگوں میں سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی فرمائی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ''اگر کسی عالم کے سامنے یہ صورت حال آئے کہ اپنے مسلک کی بات کی کسی طرح گنجائش نہ ہو اور اس سے کسی ناجائز کا ارتکاب لازم لائے تو چاہے عوام کو اضطراب اور بے چینی ہو، اس وقت بلا تردد حدیث پر عمل کرنا واجب ہوگا اور اس مسئلے میں کسی طرح تقلید جائز نہ ہوگی''۔ (رسالہ الاقتصاد)۔

اس تفصیل سے سارے اشکالات دور ہو سکتے ہیں، چاروں مذاہب کے علماء اسی معتدل قسم کی تقلید کے قائل ہیں، جس پر حدیث کی مخالفت جیسے وہ سارے اعتراضات ہوتے ہی نہیں جو عام طور پر کئے جاتے ہیں۔

ہم ایک مرتبہ پھر یاد دلا دیں کہ ہماری گفتگو صرف ان فقہی اجتہادی مسائل میں ہے جن میں سلف اور ائمہ کا اختلاف چلا آرہا ہے۔ خوب سمجھ لیجیے کہ ان مسائل کا درجہ اور ہے اور بعد کے لوگوں کی گمراہیوں اور بدعتوں کا درجہ اور ہے۔

صراط مستقیم سے ہٹا ہوا راستہ:

جیسا کہ پچھلی تفصیل سے واضح ہوا کہ حقیقت یہ ہے کہ:

۱) فقہی مسائل میں اختلاف قرآن وحدیث کے نصوص (یعنی عبارتوں) کے اختلاف اور ان کے سمجھنے میں ایسے اختلاف کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے جس کا خاتمہ ممکن ہی نہیں۔

۲) اسی لیے تمام اہل سنت علماء کہتے ہیں کہ ان مسائل میں یقینی طور پر یہ فیصلہ کیا ہی نہیں جا سکتا کہ کون سی رائے صحیح ہے کون سی غلط۔

۳) اوراسی لیے اس کوخود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے برداشت کیا ہے۔ اور اہل سنت واہل حق علماء اس پر متفق ہیں کہ ان میں ہر ایک کو اپنی رائے اور اجتہاد پر عمل کرنے یا اپنے مسلک کی تقلید کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔

۴) اور خاص طور پر یہ بات یاد رکھیے کہ چار فقہی مذاہب کی اتباع ایسی بات ہے جس کو تمام ائمہ، فقہاء، محدثین اور اہل سنت علماء نے تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ ان میں سے کوئی مقبول عام عالم جس کو اللہ تعالیٰ نے اس امت میں دین کے امام کی حیثیت سے شہرت دی ہے، آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو کسی مذہب کی طرف نسبت نہ رکھتا ہو۔

اب ہم کو سوچنا چاہیے کہ ہم کس دین کے پیرو ہیں؟ علماء وائمہ کے دین کے یا اپنی سمجھ کے؟ کیا شبہہ کہ صراط مستقیم پر وہی ہے جو صحابۂ کرام تابعین، ائمۂ عظام محدثین وفقہاء کے طریقے پر ہے اور جس کا کوئی سلف اور پیش رَو نہیں وہ دین کی صحیح ڈگر سے ہٹا ہوا ہے۔

خوب سمجھ لیجیے ہم نہ رفع یدین کو غلط کہتے ہیں نہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کو، نہ کسی بھی ایسے طریقے کو جس کی دلیل قرآن وسنت میں موجود ہے، اور جو علماء امت اور ائمۂ فقہ کا اجتہادی مسلک ہے چاہے وہ حنفی مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ سب مسائل حق ہیں، مگر جس کو ہم اہل سنت کے طریقے کے خلاف اور صحیح راستے سے ہٹا ہوا طریقہ سمجھتے اور کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان اجتہادی اختلافات کی بنیاد پر امت میں اختلاف وانتشار پیدا کیا جائے۔

فتنہ اور انتشار کی ایک دعوت:

ہم صفائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس دور میں جو تحریک مسلمانوں کے عوام کو مذاہب اربعہ سے بے اعتماد کرنے کی قائم ہے وہ ایک فتنہ ہے۔ اس فتنہ کے داعی عوام میں جاہلانہ پروپیگنڈے کے ذریعے الجھنیں پیدا کرتے ہیں، آدھے ادھورے دلائل سنا کر ان کو یہ باور کراتے ہیں کہ ان کے علماء ان کو غلط مسئلے بتاتے ہیں اور حدیثیں چھپاتے ہیں۔ کیا شبہہ کہ موجودہ نازک حالات میں امت میں ان اختلافات کی آگ جلانا فتنہ ہے۔ اس حقیر کو اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہ تحریک ایک فتنہ ہے۔ اور عوام کو اس فتنہ سے بچانا مسلمانوں کے دین اور دنیا کے لیے ضروری ہے۔

علماء سے ایک باادب درخواست:

جولوگ مسلکی اختلافات کے ذریعے نوجوانوں اور کم علم عوام کو ذہنی اضطراب اور الجھن میں مبتلا کریں، اوران کا رشتہ امت کے اہل خیر وتقویٰ سے کاٹیں ان کے شر سے عوام کو بچانے کے لیے علماء کو پوری ہمت کے ساتھ اور ساتھ ہی پورے اعتدال کے ساتھ تدبیریں اختیار کرنا چاہیے۔ ہمارا موقف معتدل بھی ہو ،امت اور دین کی مصلحت کی رعایت پر مبنی بھی ہو، حکمت پر قائم ہو، اور ہر طرح کے تعصب سے بالکل پاک ہو۔

اس بات کا پورا خیال رکھا جائے کہ ہمارا مقصد نہ کسی جماعت اور گروہ کا بول بالا کرنا ہے نہ کسی کو شکست دینا۔ ہم خالصۃً دینی خیر خواہی کے جذبے سے اور مثبت انداز سے بات کریں۔

اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ کسی ایسے فقہی مسئلے کو قطعیت کے ساتھ غلط ٹھیرانا جو اہل سنت کے ائمہ میں سے کسی امام کی رائے ہو خود بنیادی طور پر غلط ہے۔ ہم اپنے مسلک کو صحیح کہتے ہیں مگر دوسرے مسلک کا بھی پورا احترام کرتے ہیں۔ اسی طرح ان جاہلوں کی تردید کے جوش میں ہم نہ امام ابن تیمیہؒ کے احترام کو چھوڑیں گے اور نہ ابن القیمؒ کے۔

اللہ تعالیٰ حق اور اہل حق کا حامی وناصر ہو، اگر بے تعصب ہو کر حکمت سے کام کیا جائے اور علمی پختگی کا اہتمام رکھا جائے تو اختلاف وانتشار کے اس فتنے کا آسانی سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

جناب قطب الدین ملا صاحبؒ

''قربانی'' کی حقیقت

اسلام کی دو اہم عیدوں میں سے ایک ''عید قرباں'' ہے جو ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو سارے عالم میں منائی جاتی ہے، جو عربی ترکیب پر ''عید الاضحیٰ''، فارسی ترکیب پر ''عید الضحیٰ'' اور اردو میں بقرعید یا عید قرباں کے نام سے موسوم ہے۔ اس تقریب پر جانوروں کی قربانی دے کر ''سنت ابراہیمی'' کی یاد کو تازہ کیا جاتا ہے، جو کہ قربانی کی تاریخ میں ایک مثالی اور ممتاز واقعہ ہے۔ اس قربانی کا مقصد صرف جانوروں کو ذبح کرنا ہی نہیں بلکہ اس کے ذریعہ بندگان خدا میں جذبۂ قربانی کو ابھارنا مقصود ہوتا ہے۔

قربانی کیا ہے؟ اپنی محبوب چیزوں کو خدا کی خوشنودی کے لئے خدا کی راہ میں نچھاور کر دینا۔ کبھی یہ امر متقاضی ہوتا ہے کہ اس کی راہ میں مال کی قربانی پیش کر دی جائے، کبھی یہ ضروری ہوتا ہے کہ اپنی ہر شئے کو اللہ کی راہ میں لگا دیا جائے اور کبھی اس کی بھی ضرورت پیش آتی ہے کہ اپنی محبوب ترین متاع ''جانِ عزیز'' خدا کی راہ میں قربان کر دی جائے۔ امتثال امر الٰہی میں مزاحم ہونے والے طاغوتی قوتوں اور باطل طاقتوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو جانا، اپنی تمام تر قوتوں اور صلاحیتوں اور توانائیوں کو لگانا اور اس راستے کے مصائب و ابتلاء کو برداشت کرتے ہوئے امتحانِ دار و رسن سے گزر جانا، یہ سب کچھ قربانی کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں۔ ایسے موقعوں پر حقِ قربانی ادا کرنے کو کسی اور پر یا خود اپنے اوپر ایک جور و ظلم سے تعبیر کرنا، بذات خود ایک ظلم و جہالت ہے۔ انسان کے لئے انتہائی سعادت کی بات تو یہی ہے کہ وہ راضی برضارہ کر اور سرشار وفا ہو کر امتثالِ امر الٰہی میں کوشاں رہے ؎

انسان اس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امرِ رضا میں جو خم رہے

یہ ایثار و قربانیاں مقاصد کے حصول کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ حیاتِ بے کیف کو یہ ایثار

وقربانی ہی سرور وحلاوت اور سوز وگداز پیدا کر کے پُرکیف اور پُر بہار بنا دیتی ہے۔اسی لئے ایثار وقربانی کا باب تاریخ مذاہب کا ایک روشن ودرخشندہ باب ہے۔اسلامی تاریخ ،ایثار وقربانیوں کے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے۔سنت ابراہیمی کی اصل بنیاد ''قربانی'' ہے،اسی لئے اگر اس کو ایثار وقربانی کا مذہب کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

اسلام کی تاریخ دراصل قربانیوں ہی کی تاریخ ہے۔اسلامی سال بھی قربانی ہی کے ایک عظیم ترین واقعہ کی یاد سے شروع ہوتا ہے واقعہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام نے سیدنا عمر فاروق کی قیادت میں ہجرت سے اسلامی جنتری کے آغاز کا فیصلہ کر کے دراصل یہ اعلان کیا تھا کہ ''حق'' ملک ومال اور اسباب ووسائل سے نہیں اللہ کے لئے سب کچھ قربان کر دینے سے پھیلتا ہے۔اور پھر ذرا تاریخ پر نظر ڈالئے ،ہر ہر سطر پر قربانیوں ہی کی داستان نظر آئے گی۔حضرت حمزہؓ نے اپنی جان کی قربانی کچھ اس طرح پیش کی کہ ''سید الشہداء'' کہلائے۔حضرت عثمانؓ کی شہادت ایک عظیم شہادت ہے۔پھر ہزاروں مہاجرین اور انصار کی قربانیاں ہیں۔بعد کے دور میں ائمۂ اربعہ، بالخصوص امام احمد بن حنبل ،امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مثالی کردار ہے، یہ سلسلہ کسی مقام پر ختم ہونے نہیں پاتا ہے ؎

فطرت سنا رہی ہے ازل سے اسی طرح
لیکن ہنوز ختم مری داستاں نہیں

وہ کون ہے جو حق کی حمایت کے لئے کھڑا ہوا ہو اور اس کی راہ میں طاغوتی قوتوں نے رخنہ اندازی نہ کی ہو اور حامئ حق کو عظیم قربانیاں نہ دینی پڑی ہوں، یہاں تک کہ اپنی جانوں کی بازی لگا کر حق ادا کیا اور یوں سمجھا ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس معرکہ حق وباطل میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ چند بے وقعت سنگریزوں نے ایک عظیم الشان چٹان پر بظاہر غلبہ حاصل کر لیا لیکن بعد میں چل کر اسی ٹوٹی ہوئی چٹان سے ایک شیریں اور زمزمہ سنج چشمہ ابل پڑا جس نے ساری فضا کو مترنم بنا دیا، اور یہ امر ہر ایک کی روح میں شیرینی گھول دیتا ہے۔

جہاں پر اس عظیم قربانیوں کے دوررس اثرات مرتب ہوئے ،وہیں خود ان قربانی دینے والوں کی

شانِ جلالت ارفع واعلی ہوگئی۔ پھر یہ زندگیاں ایسی نہیں تھیں کہ ان کے نقوش کومٹا دیا جاتا یا بھلا دیا جاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا احترام، ان کی عقیدت اوران کی محبت کروڑوں انسانوں کے دلوں میں بطور امانت اورایک متاعِ بے بہا کی حیثیت سے آج بھی موجود ہے۔

ان قربانیوں کے پیچھے جو جذبۂ خلوص وللّٰہیت کام کررہا تھا وہ خدا کے نزدیک ایسا مقبول اور اتنا پسندیدہ ہوا کہ اس نے ان آزمائشوں سے استقامت وثباتِ قدمی کے ساتھ گزرنے والوں کے اسوۂ حمیدہ کولوگوں کے لئے نمونۂ عمل بنادیا۔ انہیں خاصانِ خدا میں ایک بلکہ اخص الخواص حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ ان کی اس طرح کی عظیم قربانیوں کے واقعات ہرسہ کتب سماوی توریت انجیل اور قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ قرآن مجید کی ۲۵ سورتوں کی ۶۳ آیات میں حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ موجود ہے، یہی وہ مجدد انبیاء ورسل ہیں جو بنی اسرائیل اورامت مسلمہ سبھی کے یہاں قابل صد احترام ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ پہلی ہستی ہیں جنھیں راہ عزیمت میں بڑی سے بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، اوران میں کامران وکامیاب ہوکر مرتبۂ خلیل سے مشرف ہوئے۔

پہلی آزمائش تو یہ تھی کہ نمرود نے ''ابلاغِ حق'' کے جرم میں انھیں دہکتی آگ میں جھونک دیا۔ صد آفریں جنونِ عشق کہ ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہیں ہو پائی اور وہ عشق خداوندی میں اپنے آپ کو نذرِ آتش کردیتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

پھر دنیا نے ایک عجیب منظر دیکھا کہ جلا کر خاکستر کردینے والے آگ کے شعلے حضرت ابراہیم کے حق میں بردوسلام بن جاتے ہیں، اورآگ باندازِ گلستاں ہوجاتی ہے۔

دوسری آزمائش کی گھڑی وہ تھی جب کہ امتثال امرِ الٰہی میں حضرت ابراہیمؑ کو اپنے کمسن اور اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیلؑ اوران کی والدہ حضرت ہاجرہ کو ایک لق ودق اور بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑنا پڑا تھا۔ ۸۶۔۸۷ سال کی عمر تک حضرت ابراہیمؑ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہ خداوندی میں نیک وصالح فرزند کے لئے دعا کی تھی جو قبول ہوئی، اسی لئے بچے کا نام اسماعیل رکھا۔ عبرانی میں اس کا تلفظ ''شماع ایل'' ہوتا ہے، عبرانی کے ''شماع'' اور عربی کے ''اسمع'' کے معنیٰ ہیں ''سُن''، اور

''ایل'' کے معنیٰ اللہ۔ چونکہ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا سن لی تھی اس لئے یہ نام رکھا گیا تھا۔ خیر! ان دعاؤں اور تمناؤں کے ثمر، گھر کے چشم و چراغ اور اکلوتے شیر خوار بچے کو فاران کے بیابان میں چھوڑ آتے ہیں اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے کہ کہیں شفقت پدری جوش میں نہ آجائے اور امتثالِ امر الٰہی میں لغزش نہ ہوجائے۔ یہ کس کی جرأت وہمت کا کام تھا؟ بلاشبہ یہ حضرت ابراہیم کی شانِ جلالت اور علو مرتبت ہی کا حصہ تھا۔

بخاری کی حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہ کو خانۂ کعبہ کے پاس زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر چھوڑا گیا تھا، اور ان کے پاس حضرت ابراہیمؑ نے صرف پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کی ایک تھیلی چھوڑی تھی۔ جب یہ پانی اور کھجوریں ختم ہوگئیں تو دونوں کی حالت دگرگوں ہونے لگی۔ بچے کی بے تابی ماں سے دیکھی نہ جاتی تھی، وہ حضرت اسماعیل کو چھوڑ کر دور جا بیٹھیں کہ اس حالت زار میں ان کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکیں۔ پھر پانی کی تلاش میں کوہ صفا پر چڑھ گئیں، کہیں کچھ نظر نہ آیا تو دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں، بیچ کے میدان میں ایک گھڑا سا تھا وہاں پہنچتیں تو بچہ نظر نہ آتا تھا، اس لئے اتنا حصہ دوڑ کر طے کرتی تھیں۔ اس طرح صفا و مروہ کے درمیان ہاجرہ نے سات چکر لگائے۔ اللہ کو یہ ادا اتنی پسند آئی کہ بطور یادگار اس کو باقی رکھنے کا انتظام کیا۔ یہی وہ سعی بین الصفا والمروہ ہے جو حج وعمرہ میں لوگ کرتے ہیں۔ آخری مرتبہ جب وہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی، یہ آواز دینے والے خدا کے فرشتے حضرت جبرئیل تھے، انہوں نے اس جگہ اپنا بازو مارا جہاں آج زمزم ہے، اسی وقت وہاں سے پانی ابلنے لگا۔ یہی وہ پانی ہے جو بہت مبارک اور متبرک ہے اور جسے حجاج کرام سوغاتِ حجاز کے طور پر اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے چھوڑ جاتے وقت حضرت ہاجرہ نے پورے ایمان وتوکل کے ساتھ کہا تھا کہ اگر اللہ کے حکم سے ہمیں اس جگہ چھوڑا گیا ہے تو ہمیں کسی بات کا غم نہیں ہے، بلاشبہ وہ ہم کو ضائع وبرباد نہیں کرے گا۔ اللہ اللہ! ہاجرہ کا وہ یقین اور حضرت ابراہیمؑ کی وہ دعا اور ان کا ایثار رنگ لاتا ہے کہ خدا انھیں ضائع کرتا ہے نہ برباد۔ بلکہ ان کی ایک ایک ادا کو زندہ وتابندہ رکھنے کا انتظام ہوتا ہے، چاہِ زمزم جب تک باقی رہے گا اور سعی بین الصفا والمروہ کا عمل جب تک جاری رہے گا اس عظیم واقعہ کی یاد دلاتا رہے گا۔

ان دونوں کٹھن منزلوں سے گزرنے کے بعد اب تیسرا امتحان ہے جو پہلے دونوں سے بھی زیادہ

سخت، زہرہ گداز اور جاں گسل ہے۔حضرت ابراہیمؑ تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کررہے ہیں۔انبیاءؑ کا خواب رؤیاء صادقہ اور وحیٔ الٰہی ہوتا ہے۔حضرت ابراہیمؑ پیکر رضا وتسلیم بن کر تیار ہوجاتے ہیں اور اپنے بیٹے سے اپنا خواب اور خدا کا حکم سناتے ہیں۔حضرت اسماعیلؑ جن کے لئے ذبیح اللہ کا عظیم الشان شرف مقسوم ہو چکا تھا فرماتے ہیں: اے میرے باپ! اگر خدا کا یہی حکم ہے تو اس کو پورا کردیجئے، انشاءاللہ آپ مجھ کو صابرین میں سے پائیں گے۔تقریباً سوسال کا بوڑھا باپ ۱۳۔۱۴ سال کے سعادت مند بیٹے کو جنگل کی طرف لے جاتا ہے کہ اس کے حلق پر چھری پھیر کر اللہ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔کہتے ہیں ان موقعوں پر شیطان رجیم نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا، انہوں نے لعنت کے اظہار کے طور پر اس کو ''رجم'' کیا جس کے لفظی معنی کنکریاں مارنے کے ہیں، اسی لئے شیطان کو ''رجیم'' (یعنی کنکریاں مارا گیا) کہتے ہیں آج بھی حج کے موقع پر یہ عمل اسی انداز میں ادا ہوتا ہے۔الغرض مروہ پہاڑی پر پہنچ کر حضرت خلیلؑ، حضرت ذبیح اللہ کے ہاتھ پیر ایک مذبوح جانور کی طرح باندھتے ہیں، چھری کو تیز کرتے ہیں اور پیشانی کے بل لٹا کر ذبح کرنے لگ جاتے ہیں۔شاید ہی دنیا نے ایسا حیران کن منظر دیکھا ہو۔اس خلوص وللّٰہیت نے رحمت خداوندی کو کتنا موجزن کیا ہوگا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔فوراً خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے کہ اے ابراہیمؑ! تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، بیشک یہ بہت سخت اور کٹھن آزمائش تھی، اب بجائے بیٹے کے پاس کھڑے مینڈھے کو ذبح کیجئے، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کیا تھی؟ یہ محض خون وگوشت کی قربانی نہیں تھی، روح ودل کی قربانی، ماسوااللہ کی قربانی اور اپنے تمام جذبات، خواہشوں اور آرزوؤں کی قربانی تھی، اور جانور کی ظاہری قربانی اندرونی نقش کا ظاہری عکس۔یہی وہ قربانی ہے جس کو ''ذبح عظیم'' کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔یہ قربانی اللہ کے نزدیک ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار ہمیشہ کے لئے ملت ابراہیمی کا شعار قرار پائی، اور آج بھی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو سارے عالم میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے۔اور حج کے موقع پر ادا کئے جانے والے ایک ایک عمل وحرکت سے قرآن کے اس دعوے کی صداقت ظاہر ہوتی ہے کہ اس مقام اور اس گھر میں حضرت ابراہیمؑ کی بہت سی یادگار نشانیاں ہیں۔

ان وفا کیشان محبت خلوص شعاروں اور جاں نثاروں نے حق بندگی کچھ اس طرح ادا کیا کہ آج ان کا

اسوہ عامۃ الناس کے لئے قابل اطاعت نمونۂ عمل بنا دیا گیا ہے۔ یہ جاں سپاری وجاں نثاری ایسی ہے کہ جس پر قدسیانِ ملأ اعلیٰ تک رشک کرتے ہیں۔ اور یہی وہ متاع گرانمایہ ہے جو بنی نوع انسان کے لئے باعث صد افتخار اور مایۂ امتیاز بلکہ مابہ الامتیاز ہے۔ دراصل اسی ایثار نفسی اور جاں سپردگی میں وہ کیف وسرور، وہ سوز وگداز وہ رمز وحلاوت ان مقربان الٰہی کو حاصل ہوتی ہے جو انھیں عرفانِ ذات اور خود آگہی عطا کر دیتی ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے یہ سرشار عشق خداوندی ہو کر، شوق ومستی اور آرزومندی میں نغمہ زن ہو جاتے ہیں۔

متاعِ بے بہا ہے درد وسوز آرزومندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

اللہ تعالیٰ ان انفاس قدسیہ کا صحیح اتباع نصیب فرما کر وہ ذوق وشوق، وہ ایثار نفسی، وہ جاں سپاسی، وہ خلوص ومحبت اور ایثار وقربانی کا وہ جذبۂ صادق ہمارے اندر بھی پیدا فرما دے۔ آمین!

☆☆☆

مولوی عبدالخالق قاسمی

ترکی کے کچھ احوال

[یہ ناچیز حضرت مدیر الفرقان کے قائم کردہ ادارے ''معہد الامام ولی اللہ الدھلوی للدراسات الاسلامیۃ کا ایک طالب علم رہا ہے — گزشتہ سال (اپریل ۲۰۱۲ء میں) حضرت کا ترکی کا ایک سفر ہوا تھا، جس میں اِس راقم کو بھی مصاحبت کا موقع ملا تھا، پھر وہاں سے واپسی کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت ہی کے حکم سے وہاں جا کر چند ماہ استنبول میں قیام کرنے کا موقع بھی اِس ناچیز کو ملا — تقریباً دو ماہ قبل ماہ رجب میں وہاں سے واپسی پر میری زبانی وہاں کے کچھ مشاہدات اور تأثرات سن کر حضرت الاستاذ نے مجھے حکم دیا کہ میں انہیں قلم بند کردوں، تعمیل حکم میں جو کچھ لکھ سکا ہوں، حاضر خدمت کر رہا ہوں۔]

عالم اسلام کے ماضی قریب کی تاریخ کے واقف کار یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابھی کچھ ہی سال قبل عالم اسلام کے اس عظیم مرکز میں جو صدیوں تک خلافت عثمانیہ کا مرکز رہا ہے اسلام کا نام لینا جرم قرار پایا تھا، ترکی کی ہزار ہا پرشکوہ مسجدوں کے مینارے عربی اذانوں کی گونج سے محروم کردئے گئے تھے اور لوگ بہ زور اپنی اسلامی اقدار و روایات کو چھوڑ کر مغربی رسوم و رواج کی غلامی پر مجبور کردئے گئے تھے۔ ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو سقوط خلافت کا لرزہ خیز واقعہ سامنے آیا۔ ترکی قیادت مصطفیٰ کمال اتاترک کے ہاتھ آئی، انہوں نے ترکی کو جمہوریہ ترکی قرار دینے کے بعد ہی ترک قوم پر اپنی اسلام دشمنی اور ڈکٹیٹر شپ کا تسلط شروع کردیا، اور پھر چشم فلک نے وہ واقعات وحوادث دیکھے جن کی زبان وقلم سے تعبیر بھی ایک مشکل امر ہے۔ ۱۹۲۵ء میں خانقاہوں کو بند کردیا گیا، تصوف کے سلسلے ختم کردئے گئے، ہجری تقویم کے بجائے شمسی مسیحی کیلنڈر اختیار کیا گیا، ۱۹۲۸ء میں ترکی زبان کا رسم الخط عربی کے بجائے لاطینی کردیا گیا ترکی کو عربی رسم الخط میں لکھنا جرم قرار دیا گیا، اس طرح پانچ سو سالہ عثمانی اسلامی ادب سے اور اس ماضی سے جو سراسر اسلامی

روایات کا حامل تھا ترکوں کی نسلوں کا تعلق کاٹ دیا گیا ،اذان وتکبیر کو عربی کے بجائے ترکی میں کردیا گیا،عربی اذان وتکبیر خلاف قانون قراردی گئیں،وراثت کا اسلامی قانون،شادی اورطلاق وغیرہ سے متعلق اسلامی عائلی قوانین ختم کرکے مغربی قوانین اختیار کئے گئے ۔اور بالجبر ان کو ترک قوم پر نافذ کیا گیا۔ہزاروں علماءکوتختہ دار پر چڑھادیا گیا ،کتنے ہی مؤذن اور اماموں کی گردنیں تن سے جدا کردی گئیں۔تقریباًاسی سال تک ترک قوم ان سخت ترین حالات سے دوچار رہی ،نتیجۃً ترک قوم کا اسلام کے ساتھ ایک حدتک رشتہ کٹ گیا۔اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جوقوم تقریباًایک صدی تک ان حالات سے دوچاررہی ہو،اسکی نسل اورنوجوانوں کے مزاج میں کیا کیا تبدیلیاں اوراسلام سے کتنا بعد پیدا ہوگیا ہوگا۔

دوسری طرف اس وقت کے ترکی پرنظرڈالئے شہرشہرگاؤں گاؤں (قرآن کرسو کے نام سے)دینی ادارے قائم ہیں ،ہزاروں کی تعداد میں حفاظ موجود ہیں،قرآن وحدیث اور دین کے دیگر مضامین کو سمجھنے سمجھانے کا ایک عجیب وغریب شوق ہے جوترکی قوم کے اندر پیدا ہورہا ہے،نمازوں کا اہتمام،ذکرواشغال اورمعمولات پرمداومت ترک قوم کا ایک خاصہ نظرآتا ہے۔دوسری طرف یہ پہلوبھی قابل ذکر ہے کہ معیشت کے اعتبارسے آج ترکی دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں نویں نمبر پر ہے قومی آمدنی فی فرد ۱۱۰۰۰ ڈالرہوگئی ہے —— ان حیرت انگیز تبدیلیوں اورترقیات میں کن شخصیات اورتحریکات کا اثر ہے کونسی کوششیں ہیں جنہوں نے ترک قوم کا اسلام کے ساتھ تعلق نہیں ٹوٹنے نہیں دیا بلکہ اس تعلق کی تجدید اوراحیاء کا عظیم کام انجام دیا ہے؟ یہ جاننا پورے عالم اسلام میں اسلام کی حفاظت ،اشاعت اوراقامت کی جدوجہد میں مصروف لوگوں کے لئے نہایت مفید ہوگا۔

ترکی میں حالات کی تبدیلیوں اوراسلام کومٹانے کی ہرممکن کوشش کے باوجود ترکوں کے اسلام کی بقاوتحفظ کا سہرا جن شخصیات کے سرجاتا ہے ان میں دوشخصیات میری دانست میں انتہائی اہم اور قابل ذکر ہیں،ایک استاذ بدیع الزماں سعیدنورسیؒ ،دوسرے شیخ فتح اللہ گولن۔

بدیع الزماں سعیدنورسی کی حیات پراس وقت بہت سی کتابیں آچکی ہیں۔ہمیں یہاں پرصرف اتنا عرض کرنا ہے کہ بلاشبہ استاذ بدیع الزماں سعیدنورسی ،گزشتہ صدی کی ایک عظیم ترین ہستی ہیں،ترکی میں احیائے اسلام میں شیخ کا بنیادی اورمرکزی کردار ہے۔جنگ عظیم کے دوران عربوں کے طرزعمل اورترک دشمن رویے نے انتہاپسند ترک قوم پرستوں اور مغرب پرستوں میں مذہب بے زاری کا جذبہ

پیدا کر دیا تھا۔ وہ عربوں کے ساتھ عربوں کے لائے ہوئے مذہب کے بھی مخالف ہو گئے تھے، ترکی میں قیام جمہوریت کے بعد بدقسمتی سے اقتدار اسی طبقے کے ہاتھ میں آ گیا، اور اس نے ملک کو اپنے سیاسی ونظریاتی آمریت کے پنجے میں جکڑ لیا۔ بدیع الزماں سعید نورسی کی اصل اہمیت اور عظمت یہ ہے کہ انہوں نے ان ناسازگار حالات میں اسلام کی شمع روشن رکھنے کے لئے زبردست کوششیں جاری رکھیں، اور ۲۵ سال کی سخت جدوجہد کے بعد، جس میں ان کو قید وبند، جلاوطنی اور ابتلاء وآزمائش کے مختلف ادوار سے گزرنا پڑا، ترکی کو اسپین اور بخارا کی راہ سے ہٹا کر پھر خادم اسلام ملک کی حیثیت میں تبدیل کر دیا، یہ ان کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جس کی مثال شاید حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علاوہ تاریخ میں نہیں ملتی۔

ترکی میں نوری جماعت استاذ ہی سے منسوب جماعت ہے، یہ لوگ قرآن کریم اور احادیث کے علاوہ رسائل النور کا مطالعہ کرتے ہیں، اس جماعت میں قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے کا ایک خاص ذوق وشوق پایا جاتا ہے۔ رسائل النور کو ترکی میں علماء اور عوام ایک خاص مقام دیتے ہیں، ہم نے وہاں متعدد علماء کے دروس قرآن میں شرکت کی، رسائل کے کثرت سے حوالے دئے جاتے ہیں۔ استاذ بدیع الزماں سعید نورسی کے ہزاروں کی تعداد میں وہ طلبہ جنھوں نے استاذ کی قید وبند کے دوران ان کے مکتوبات ورسائل کی نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے آج ان کی خواب گاہیں (قبریں) مرجع عام وخاص ہیں، ان کے واسطہ سے دعائیں مانگی جاتی ہیں، وعظ اور بیانوں میں ان کی حکایات بیان کی جاتی ہیں۔

اس ناچیز کا احساس ہے کہ بدیع الزماں سعید نورسی کے علوم ومعارف کی شرح کرنے اور ان کے افکار وخیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جس شخصیت کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ شیخ فتح اللہ گولن ہیں، فتح اللہ گولن کی پوری حیات ابتلاء وآزمائش، ریاضات ومجاہدات اور امت کے حالات پر گریہ وفغاں سے عبارت ہے، آپ کی تحریروں اور بیانات میں سننے اور پڑھنے والوں کے لئے ایک زندگی کا پیغام ملتا ہے، تقریباً ۲۰ سال کی عمر سے دعوت واصلاح اور تعلیم کے میدان میں جو عظیم جدوجہد شیخ فتح اللہ گولن نے کی ہے اس کی تفصیل سن کر اور آثار ونتائج دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ وہ اپنی جدوجہد کے ابتدائی سالوں ہی میں اس نتیجہ تک پہنچ گئے تھے کہ تعصب، دشمنی اور نفرت پر مبنی کوئی بھی تحریک مثبت نتائج تک نہیں پہنچ سکتی، نیز چونکہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں رونما ہونے والے حوادث اور تبدیلیوں کا اثر پوری دنیا پر پڑتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ کسی بھی عقیدے، فکر اور فلسفے سے تعلق رکھنے والے افراد سے فراخ دلی کا برتاؤ کیا جائے، اور نہایت صبر

،انتظار، اور تدریج کے ساتھ از سرنو اسلام کے پیغام کو عام کرنے کی طویل جدوجہد کی جائے۔

چنانچہ ۱۹۹۰ء میں شیخ نے باہمی گفت وشنید، افہام وتفہیم پر مبنی اور تعصب سے پاک ایک قائدانہ تحریک کا آغاز کیا، آج اس تحریک کی بازگشت دنیا کے کونے کونے میں سنی جارہی ہے، شیخ نے جب اس تحریک کا آغاز ہوسٹلس اور ہاؤسز کے قیام کے ذریعے سے کیا تو شیخ کی اس فکر سے ان کے احباب اور شاگرد بھی متفق نہیں تھے، لیکن شیخ کو اس چیز کا انشراح ہو چکا تھا کہ ہر ہر شعبۂ حیات میں احیائے اسلام، اور تجارت سے حکومت تک ہر ہر شعبہ میں اسلام کے احیاء کے لئے صحیح اور واضح اقدام یہی ہے کہ جگہ جگہ ہوسٹلس قائم کئے جائیں، ان میں رہنے کے لئے یونیورسٹیز اور کالجز کے طلبہ کی تشکیل کی جائے اور پھر ان کی تربیت کی جائے، چنانچہ شیخ کے حکم سے ان کے احباب اور شاگردوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی استانبول کے اندر ایک ہوسٹل قائم کیا، شیخ کی صورت حال یہ تھی کہ شب وروز بذات خود اپنی تمام مصروفیات کو چھوڑ کر اس ہوسٹل میں رہنے والے طلبہ کی خدمت کرتے تھے، ان کی خوشامد درآمد کر کے دین کی بنیادی باتیں اور قرآن کریم پڑھاتے تھے، نتیجۃً چند ہی دنوں میں شیخ کے شاگردوں اور دوستوں کو شرح صدر ہو گیا اور اس کے بعد ہوسٹل پہ ہوسٹل اور اسکول پہ اسکول قائم کرنا شروع کر دئے۔ اور رفتہ رفتہ تجارت، زراعت، تعلیم وسیاست، سائنس اور ٹیکنالوجی، ہر میدان میں باضابطہ پیش رفت کا آغاز ہوا۔

کسی بھی تحریک میں مالیاتی وسائل کے مسائل آتے ہیں، شیخ نے اس کے لئے مشورہ کے بعد دو تجویزیں منظور کیں، ایک تو اصحاب ثروت اور اہلِ خیر کو اس بات کی طرف متوجہ کیا جائے کہ اپنی کمائی اور منافع میں فیصد مقرر کر کے اس تحریک کا تعاون کریں، دوسرا یہ ہے کہ خود تحریک کا بھی پرائیوٹ بزنس شروع کیا جائے، دونوں تجاویز پر عمل درآمد شروع ہوا اور ایک بڑی تعداد تاجروں اور مالداروں کی ایسی مل گئی جس نے اپنی آمدنی کی ایک وافر مقدار اس تحریک کو دینا شروع کر دیا، اور تحریک کے پرائیوٹ بزنس کا بھی آغاز ہوا، اس کے بھی حیرت انگیز منافع بہت جلد ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے، ترکی کے وہ تجار جو اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ ان کی جماعت کو دیتے ہیں، ان کی تواضع کا یہ عالم ہے کہ وہ تحریک کے افراد کے سامنے جھکے جاتے ہیں، ان سے اس حوالے سے بات کی جائے تو ان کی آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں، کہنے لگتے ہیں کہ یہ اللہ کا شکر ہے اور شیخ کا احسان ہے کہ وہ ہمارے پیسوں کو دین کے کام میں استعمال کر رہے ہیں۔

اس وقت ترکی کے اندر شیخ کی جماعت کی تجارتیں بہت مضبوط اور مستحکم ہو چکی ہیں، فوڈ، کپڑے، ہوٹلیں، بگ بازار، گیسٹ ہاؤس وغیرہ، زندگی کی تمام ضروریات کے لئے باضابطہ منظم انداز میں اس تحریک

افراد نے دکانیں، شوروم وغیرہ کھولے ہوئے ہیں۔ نظر بد دور، دنیا حیران ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے کس طرح بازاروں اور مارکیٹ پر یہ لوگ چھا گئے ہیں۔

ذرائع ابلاغ میں، ٹی۔وی چینلز، اس جماعت کے کھلے ہوئے ہیں، جو مختلف دینی ثقافتی وسیاسی پروگرام پیش کرتے ہیں، اخبارات میں ترکی کا سب سے مشہور اخبار ''زمان'' اسی جماعت کا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی اخبار اور ماہانہ، پندرہ روزہ اور ہفت روزہ جرائد ومجلّات، اس جماعت کی سرکردگی میں نکل رہے ہیں، عربی کا مشہور ماہ نامہ ''الحراء'' جو عرب ممالک میں بڑی تیزی سے مقبولیت حاصل کر رہا ہے، اسی طرح ترکی کا سب سے مشہور رسالہ (Yeni Umit) (نئی امید) اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، ریڈیو چینلز میں ایک خاص چینل (جہان) اسی طرح ایک ٹیوی چینل (مہتاب) صرف اور صرف شیخ کے بیانات نشر کرتا ہے، ترکی میں آپ ٹیکسیوں اور گاڑیوں میں بکثرت ریڈیو جہان کی نشریات سنتے ہوئے لوگوں کو پائیں گے۔

شیخ کا مشہور فرمان ہے کہ دنیا خلاء سے پاک ہے، اگر تم کسی میدان میں نہیں داخل ہوگے تو دوسرا داخل ہوجائے گا، اسی طرح اگر تم کسی جگہ نہیں پہنچوگے تو دوسرا پہنچ جائے گا، اس لئے اس جماعت نے ہر میدان میں اپنے جھنڈے گاڑ دئے ہیں، اور دنیا کے ہر ملک میں پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں، الحمد للہ اکثر ممالک میں کام کا آغاز ہو چکا ہے، اور بڑی اسپیڈ سے کام آگے بڑھ رہا ہے۔

اس جماعت کے قائم کردہ تعلیمی مراکز، تجارتی منڈیاں اور ذرائع ابلاغ کے اداروں وغیرہ سے پوری دنیا میں فائدہ محسوس کیا جا رہا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جب اس کے فوائد عالمگیر ہوں گے، گاؤں گاؤں، شہر شہر، ملک ملک اس کے افراد پہنچیں گے، اور اپنے مشن کو پھیلائیں گے، اس طرح انشاء اللہ زندگی کے ہر میدان میں نظام عدل قائم ہونے میں امید ہے کہ اس تحریک کا بھی بہت اہم حصہ ہوگا۔

اس جماعت کے علاوہ دیگر جماعتیں بھی ترکی میں مختلف انداز سے کام کر رہی ہیں، ان میں ایک عظیم جماعت شیخ محمود آفندی کی جماعت ہے، اس جماعت کے ایک فرد سے میری اس وقت ملاقات ہوئی جب اپریل ۲۰۱۳ء میں فاتح مسجد میں ایک دینی پروگرام میں شرکت کی غرض سے میں گیا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ کچھ طلباء سر پر عمامہ، چہرے پر سنت، ایک خاص قسم کا جبہ پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے، مجھے استنبول میں رہتے ہوئے تقریباً پانچ ماہ گزر چکے تھے لیکن اس طرح کے لوگوں کو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا

ظاہر ہے کہ ان میں میری دلچسپی ایک فطری چیز تھی ، میں افہام وتفہیم کی حدتک ترکی زبان سے بھی واقف ہو چکا تھا، میں نے ان طلباء سے ملاقات کی ،معلوم کیا آپ کون لوگ ہیں انہوں نے بتایا کہ قریب ہی ایک قرآن کرسو (مدرسہ) ہے جس میں ہم عالمیت کررہے ہیں، مجھے بڑی خوشی ہوئی ، میں نے ان لوگوں سے ایڈریس لے لیا۔عام طور پر میری ہفتہ کے دن چھٹی رہتی تھی ،اس لئے میں نے اس مرتبہ فاتح جانے کا پروگرام بنایا اپنے یہاں سے امینونو پہنچا، جہاں سے فاتح کے لئے بسیں ملتی ہیں امینونو سے دواسی طرح کے طلباء میرے ساتھ بس میں داخل ہوئے ، میں انہیں کے ساتھ بیٹھ گیا،تعارف ہوامعلوم ہوا کہ یہ لوگ شیخ محمود آفندی کے بڑے ادارے جامعہ سلیمانیہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، میں نے کہا کہ میں بھی آپ کے مدرسہ کا قصدرکھتا ہوں، بڑے خوش ہوئے ، کچھ منٹوں میں گاڑی فاتح پہنچ گئی ، چارشنبا بازار میں اتر گئے ،اترتے ہی مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک نئی دنیا میں آ گیا ہوں ، ہرطرف اسی لباس کے لوگ ،سر پرعمامہ، ہاتھ میں تسبیح لئے اپنے کاروبار میں مشغول ہیں ، بچہ بچہ اسی لباس میں نظر آرہا ہے، میرے قلب میں خوشی کی لہر اٹھ رہی تھیں،تھوڑی دور چلنے کے بعد ہم لوگ سلیمانیہ قرآن کرسو کے نام سے ایک سات منزلہ عمارت کے سامنے کھڑے ہوئے تھے، میرے رفیقوں نے اپنے ایک استاذ سے میری ملاقات کرائی ،تپاک سے ملے ،ترکی زبان کے علاوہ عربی اچھی جانتے تھے، اپنے آفس لیکر گئے ، میں نے معلوم کیا کہ آپ کے ادارے میں کتنے طلباء ہیں بتایا گیا کہ مجموعی تعداد ۶۵۰ ہے، جب کہ اساتذہ صرف ۶ ہیں، میں نے حیرت سے پوچھا کہ وہ کیسے اتنے طلباء کے لئے کافی ہوتے ہیں ،انہوں نے بتایا کہ دراصل یہ ایک تربیتی ادارہ ہے ،اس میں اکثریت ان طلباء کی ہے جو یہاں آنے سے پہلے ملازمت یا تجارت وغیرہ کرتے تھے، پھر علم دین حاصل کرنے کے لئے بشوق ورغبت یہاں آئے ،جس کی وجہ سے انکے اندر پڑھنے کا شوق عام طلباء سے بہت زیادہ پایا جاتا ہے، ہمیں ان کی صرف تھوڑی سی رہنمائی کرنا پڑتی ہے، پھر یہ لوگ خود محنت کرتے ہیں۔

میں نے اس ادارہ کے اندر ایک دن اور رات مقیم رہا۔وہاں کے جو معمولات دیکھے وہ حیرت انگیز اور قابل تقلید تھے، اس لئے یہاں پر ان کا مختصراً تذکرہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

اس مدرسے میں تہجد پڑھنے کا عام معمول ہے ۔تین طلباء کا ایک گروپ تمام طلباء کو صبح تین بجے اٹھادیتا ہے ،ضروریات سے فراغت کے بعد جماعت جماعت تقسیم ہوکر بعض باجماعت اور بعض انفرادی تہجد ادا کرتے ہیں، تہجد کے بعد ہر گروپ کا ذمہ دار اجتماعی دعا کراتا ہے، دعا کے بعد ایک طالب علم

مکتوبات امام ربانی کی تعلیم کرتا ہے جو تقریباً آدھا گھنٹہ، چالیس منٹ جاری رہتی ہے، اس کے بعد طلباء صفوں میں بیٹھ کر فجر کی نماز تک تلاوت کرتے ہیں۔ نماز کے بعد اشراق تک طلباء معمولات اوراد و وظائف پورا کرتے ہیں، اشراق کے بعد طلباء کو دو گھنٹے آرام کا موقعہ دیا جاتا ہے، تقریباً ساڑھے نو بجے ناشتہ ہوکر کلاسس شروع ہوجاتے ہیں، اسباق کا انداز بھی مختلف ہے، مسجد میں پانچ پانچ چھ چھ افراد پر مشتمل حلقوں کی شکل میں طلباء بیٹھ جاتے ہیں، اس میں ایک استاذ ہوتا ہے، جو اپنے گروپ کے ہر طالب علم کا سبق سنتا ہے، دوسری طرف چند درسگاہیں ہیں، جہاں پر تقریباً پچاس طلباء اور ایک استاذ ہوتا ہے، ان پچاس کے پچاس کو روزانہ ایک ہی سبق دیا جاتا ہے، دوسرے دن استاذ جس سے چاہتا ہے سن لیتا ہے اسباق کا یہ دور تقریباً دو بجے تک چلتا ہے، اس کے بعد کھانا ہوکر نماز ہوتی ہے، نماز کے بعد پھر عصر تک اسباق جاری رہتے ہیں، نماز کے بعد اجتماعی طور پر طلباء معمولات پورے کرتے ہیں، عصر سے مغرب تک کے وقت میں طلباء کو باہر نکلنے کی اجازت رہتی ہے، مغرب کے بعد فوراً کھانا، اس کے بعد ذاتی مطالعے کے حلقوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، جو تقریباً گیارہ بجے تک جاری رہتا ہے، گیارہ بجے کے بعد طلباء فوراً سوجاتے ہیں اور بعض انفرادی معمولات، تلاوت وغیرہ میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

وہاں کے ایک استاذ سے گفتگو کے دوران انہوں نے بتایا کہ دراصل ہم نے یہاں پر تین شفٹ بنا رکھی ہیں، طالب علم جب ہمارے ادارے میں داخلہ لیتا ہے تو ہمارے تربیت یافتہ طلباء میں سے کسی کے سپرد کردیا جاتا ہے، جس سے وہ قرآن کریم اور دین کی ابتدائی کتابیں پڑھ لیتا ہے چھ مہینے کے بعد اس کو استاذ کے اسباق میں شرکت کا موقع ملتا ہے، چھ ماہ تک استاذ کے پاس قرآن وحدیث اور دیگر کتابیں پڑھتا ہے، اس کے بعد اس کو اصل عالمیت کے شعبہ میں بھیج دیا جاتا ہے، یا جس شعبہ میں داخلہ لینا چاہے اس کی طرف۔ استاذ نے یہ بھی بتایا کہ ہمارے مدرسہ میں ہمیں طلباء کی نگرانی کی قطعی ضرورت نہیں پڑتی، طلباء نے خود آپس میں ایک سسٹم بنا رکھا ہے، تمام کے تمام وقت پر سوجاتے ہیں، وقت پر اٹھ جاتے ہیں، اور پھر وقت پر کلاسوں میں چلے جاتے ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ گزشتہ سال شیخ محمود آفندی ادارے میں آئے اور طلباء سے معلوم کیا کہ بھئی تہجد پڑھتے ہو؟ ان لوگوں نے نفی میں جواب دیا، شیخ نے فرمایا کہ طلباء کو تہجد پڑھنی چاہئے، طلباء پر اس جملہ کا حیرت انگیز اثر مرتب ہوا، انہوں نے اپنی ایک کمیٹی بنائی جو ہر دن تین طلباء کو مقرر کرتی ہے، جو طلباء کو تہجد کے

لئے اٹھاتے ہیں ،شروع شروع میں کمرے میں جا کر معلوم کرلیا کرتے تھے کہ کس کو تہجد کے لئے اٹھنا ہے،جس کو اٹھنا ہوتا اسے اٹھادیا جاتا ،رفتہ رفتہ طلباء میں ایسا ذوق وشوق پیدا ہوا کہ تقریباً ۸۰۔۹۰ فیصد طلباء اس وقت مداومت کے ساتھ تہجد پڑھتے ہیں،ہمیں طلباء کو بیدار کرنے اور کلاسوں میں بھیجنے کی ضرورت بھی کم ہی پڑتی ہے،اس کے برخلاف رات میں گیارہ کے بعد بھی طلباء کلاسوں میں مطالعہ کرتے ملتے ہیں جنہیں سمجھا بجھا کر سلانا پڑتا ہے۔

یہ شیخ محمود آفندی کا سب سے بڑا ادارہ ہے،اس وقت ترکی کے گاؤں اور قصبات میں شیخ کی جماعت نے بکثرت ایسے مدارس اور مکاتب قائم کردئے ہیں۔ترکی دیہات اور قصبات کے لوگوں کا بکثرت اس طرف رجحان پایا جاتا ہے۔یہ شیخ محمود آفندی کی جماعت ہے جو بالکل قدیم اسلوب وانداز سے منصوبہ بند انداز میں بڑے پیمانے پر ترکی میں کام کررہی ہے۔

اس کے علاوہ تصوف کے سلسلوں میں نقشبندیہ،قادریہ سلسلہ کی بہت سی خانقاہیں پائی جاتی ہیں،ان میں مشہور ترین خانقاہ ،شیخ عبد الباقی مدظلہٗ العالی ،نقشبندی کی ہے ،یہ ترکی کی سب سے مشہور ومعروف خانقاہ ہے شیخ کا حلقہ ارادت پوری ترکی میں پھیلا ہوا ہے،خاص طور پر شہروں سے بسیں بھر بھر کر خانقاہ جاتی ہیں خانقاہ ایک غیر آباد خطہ میں واقع ہے،خانقاہ کے اطراف میں تھوڑے فاصلے سے بڑے بڑے حمام تعمیر کررکھے ہیں،خانقاہ میں جانے والوں کو اولاً ان حماموں میں غسل کرکے خوشبو وغیرہ لگا کر دو رکعت نماز پڑھائی جاتی ہے،ہر جانے والا انتہائی ادب واحترام کے ساتھ شیخ کی زیارت کرتا ہے،اسباق لیتا ہے،شیخ کی مجالس میں شرکت کرتا اور مستفید ہوتا ہے،ترکوں کی ایک بڑی تعداد شیخ عبد الباقی سے وابستہ ہے،ان کے علاوہ بھی بہت سے شیوخ خانقاہوں میں اصلاح وتربیت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

غرض یہ کہ ترکی بڑی تیزی سے اسلام کی طرف بڑھ رہا ہے،آپسی الفت ومحبت ترکوں کا خاصہ ہے،وفاداری ان کا شیوہ ہے ،قدیم ترکوں نے جس طرح صدیوں تک اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ وفاداری اور الفت ومحبت ،سمع وطاعت اور تواضع کا مظاہرہ کیا ہے،آج بھی اپنے آباء واجداد کی تاریخ کو اتراک سینے میں سجائے بیٹھے ہیں یہی راز ہے فتح اللہ گولن اور دیگر حضرات کی دینی تحریکات کی کامیابی کا۔آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا،وَلَعَلَّ اللّٰہُ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔

☆☆☆